ماہنامہ "مِصباح" ربوہ

ماہِ دسمبر ۱۹۸۲ء و جنوری ۱۹۸۳ء

مدیرہ: امۃ اللطیف خورشید

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نمبر
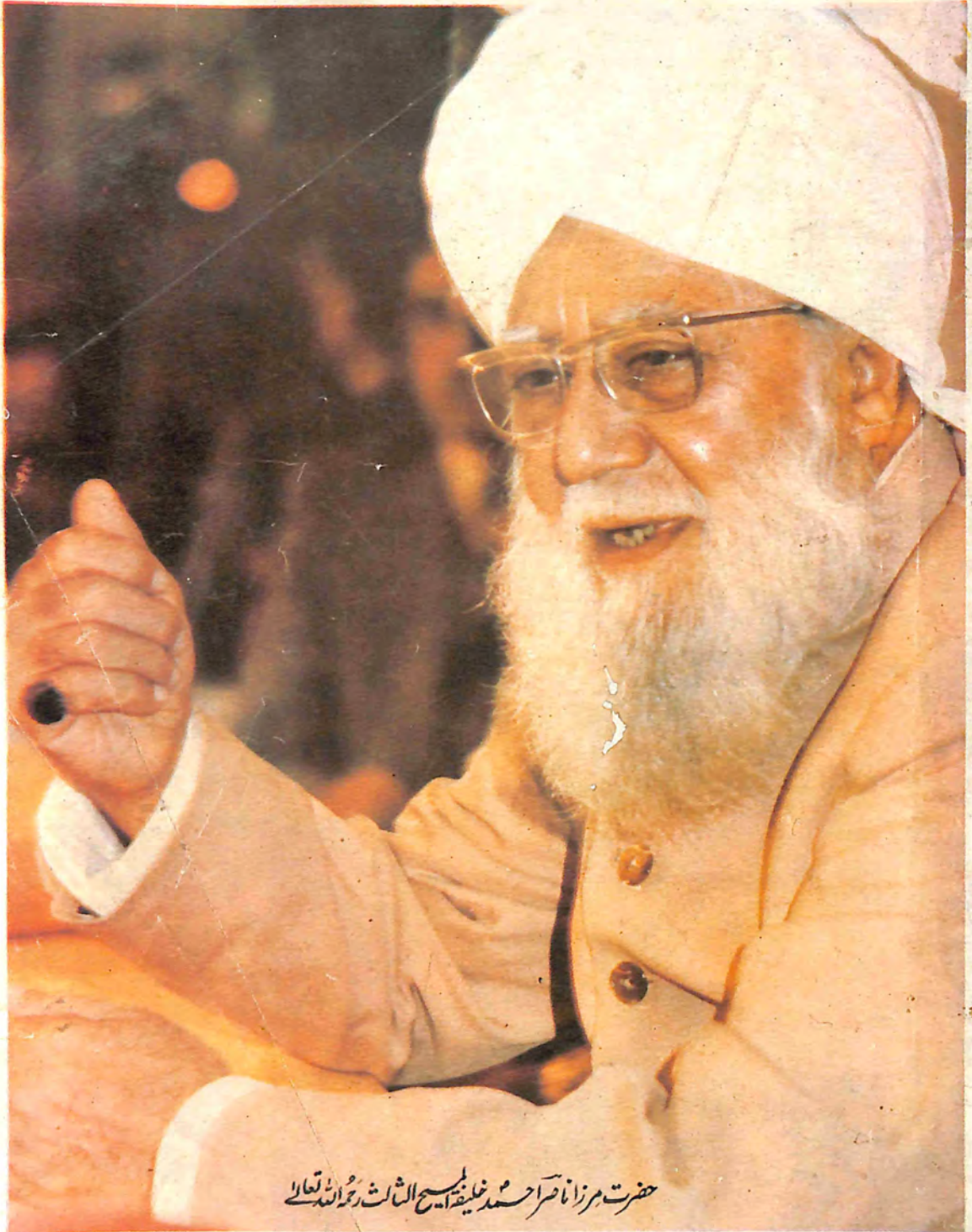
حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نوّر اللہ مرقدہٗ کی ایک بچپن کی نادر و نایاب تصویر

حضور کے ہمراہ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کھڑے ہیں

نوجوانی کے زمانہ میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ

ماہنامہ

مصباح

ربوہ

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۵۸۸

جلد ۵۵/۳۲ — فتح، صلح ۱۳۶۱، ۱۳۶۲ ہش — دسمبر ۱۹۸۲ء، جنوری ۱۹۸۳ء — شمارہ ۱۲، ۱

احمدی مستورات کا علمی، مذہبی و ادبی رسالہ

زیرِ انتظام

لجنہ اِماءُ اللہ مرکزیہ ربوہ

مُدِیرہ

اَمۃ اللطیف خورشید

معاونہ

ثریا خانم

(سالانہ چندہ)

پاکستان: بائیس روپے ۲۲/- ۔ امریکہ و کینیڈا: ڈیڑھ سو روپیہ ۱۵۰/-

یورپ: پانچ پونڈ یا ایک سو روپیہ ۔ قیمت فی پرچہ ہذا: ساڑھے سات روپے

پبلشر: شیخ خورشید احمد ۔ پرنٹر: سید عبدالحیٔ

مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ مصباح ربوہ ضلع جھنگ ۔

کتابت: محمد رفیق احمد ربوہ

مضامین

منظومات

تبرکات

دُنیا بھی اِک سرا ہے بچھڑے گا جو ملا ہے

دُنیا بھی اِک سرا ہے بچھڑے گا جو مِلا ہے گر سَو برس رہا ہے آخر کو پھر جُدا ہے
شکوہ کی کچھ نہیں جا یہ گھر ہی بے بقا ہے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اَے دوستو پیارو! عُقبیٰ کو مت بِسارو کچھ زادِ راہ لے لو۔ کچھ کام میں گزارو
دُنیا ہے جائے فانی دل سے اِسے اُتارو
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

جی مت لگاؤ اس سے دل کو چھڑاؤ اس سے رغبت ہٹاؤ اس سے بس دُور جاؤ اس سے
یارو! یہ اژدہا ہے جاں کو بچاؤ اس سے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

قرآں کتاب رحماں سکھلائے راہِ عرفاں جو اس کو پڑھنے والے اُن پر خدا کے فیضاں
اُن پر خدا کی رحمت جو اس پہ لائے ایماں
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

ہے چشمۂ ہدایت جس کو ہو یہ عنایت یہ ہیں خُدا کی باتیں ان سے ملے ولایت
یہ نُور دل کو بخشے دل کو کرے سرایت
یہ روز کر مُبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

قرآں کو یاد رکھنا، پاک اعتقاد رکھنا فکرِ معاد رکھنا، پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا
یہ روز کر مُبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

(سیدنا حضرت اقدس مسیح الزمان بانی سلسلہ احمدیہ)

قال اللہ تعالیٰ

اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؁

ترجمہ:۔ (جن پر جب بھی کوئی مصیبت آئے (گھبراتے نہیں بلکہ یہ) کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لَوٹنے والے ہیں۔)

حضرتِ مصلح موعود اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب مومن کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ جزع فزع کرنے کی بجائے پُورے یقین اور ایمان کے ساتھ کہتا ہے کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لَوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ نمونہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے اُمید رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ گھبرانے اور جزع فزع کرنے کی بجائے خدا تعالیٰ پر توکّل رکھیں اور اسی کو حاضر ناظر سمجھتے ہوئے سچے دل سے یہ کہیں کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ...... اِنَّا لِلّٰهِ میں بتایا گیا ہے کہ مصیبت اور ابتلاء کے آنے پر کافر تو سمجھتا ہے کہ مَیں مارا گیا لیکن مومن یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بلا میں بھی میرے لئے کوئی خیر اور برکت کا پہلو پوشیدہ رکھا ہوگا۔

اِنَّا لِلّٰهِ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مومن کو جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ جھٹ کہتا ہے کہ میرا تو اس چیز کے ساتھ ایک عارضی تعلق تھا اصل تعلق تو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اسی کی خاطر اس سے بھی میرا تعلّق تھا۔ اب اگر اُس نے اپنی کسی حکمت کے ماتحت یہ چاہا ہے کہ میرا اس چیز سے تعلّق ٹوٹ جائے تو مَیں اُس کے فعل پر کیوں اعتراض کروں..... اگر میرے کسی عزیز کو خدا تعالیٰ نے اپنے پاس بُلا لینا مناسب سمجھا ہے تو مجھے اس پر کیا شکوہ ہو سکتا ہے۔ اُسی کی چیز تھی اور وہی بلانے کا حقدار تھا۔ پس اِنَّا لِلّٰهِ کے ایک تو یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تباہ نہیں کرے گا اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہمارا تعلق صرف خدا کی وجہ سے ہے۔ پس جس بات میں ہمارا خدا راضی ہے اس پر ہم بھی راضی ہیں۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۲۹۶)

ارشاداتِ عالیہ حضرت مسیح موعود آخر الزمان بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ

مومن خدا کی قضا و قدر پر ہمیشہ راضی رہتا ہے اور اس پر اُسے بڑا اجر ملتا ہے

"ہماری جماعت کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے دو طرح کی تقسیم کی ہوئی ہے۔ اس لئے اس تقسیم کے ماتحت چلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ایک حصّہ تو اس کا یہ ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو مانتا ہے اور دوسرا حصّہ یہ ہے کہ وہ اپنی منواتا ہے۔ جو شخص ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ خدا تعالےٰ اس کی مرضی کے مطابق کرتا رہے اندیشہ ہے کہ وہ شائد کسی وقت مرتد ہو جائے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ میرے پر ہی تکلیف کا اور ابتلاء کا زمانہ آیا ہے۔ ابتلاء سب نبیوں پر آتا رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا جب فوت ہوا تھا تو کیا انہیں غم نہیں ہوا تھا؟ ایک روایت میں لکھا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے تھے۔ آخر بشریت ہوتی ہے غم کا پیدا ہونا ضروری ہے مگر ہاں صبر کرنے والوں کو بڑے بڑے اجر ملا کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی ساری کتابوں کا منشاء یہی ہے کہ انسان رضا بالقضا سیکھے...... جب خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی امتحان آتا ہے تو اس میں انسان کے تصرف کا دخل نہیں ہوتا انسان خدا تعالےٰ کے امتحان میں بہت جلدی ترقی کر لیتا ہے اور وہ مدارج حاصل کرتا ہے جو اپنی محنت اور کوشش سے کبھی حاصل نہیں کر سکتا اسی لئے اُدعونی استجب لکم میں اللہ تعالےٰ نے کوئی بشارت نہیں دی مگر ولنبلونّکم بشیءٍ میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں...... بڑا ہی بدقسمت وہ انسان ہے جو خدا تعالےٰ کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتا ہے خدا تعالےٰ کے ساتھ تو دوستانہ والا معاملہ چاہیئے کبھی اس کی مان لی اور کبھی اپنی منوالی...... خدا تعالےٰ نے اپنی قضاء و قدر کے راز مخفی رکھے ہیں اور اس میں ہزاروں مصالح ہوتے ہیں...... ہم نے تو آزمایا ہے تھوڑا سا دکھ دے کر وہ بڑے بڑے انعام و اکرام فرماتا ہے وہ جہان ابدی ہے جو لوگ ہم سے جُدا ہوتے ہیں وہ تو واپس نہیں آ سکتے ہاں ہم جلدی ان کے پاس چلے جائیں گے۔ اس جہان کی دیوار کچی ہے اور وہ بھی گرتی جاتی ہے پھر انسان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ کب جانا ہے جب جائے گا بھی تو...... خالی ہاتھ جائے گا۔ ہاں اگر کسی کے پاس اعمال صالحہ ہوں تو وہ ساتھ جائیں گے...... امتحان کا ہونا تو ضروری ہے اور امتحان بڑی چیز ہے۔ سب پیغمبروں نے امتحان سے ہی درجے پائے ہیں.......... مومن کو چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کی قضاء و قدر کے ساتھ کبھی شکوہ نہ کرے اور رضا بالقضا پر عمل کرنا سیکھے۔"

(ملفوظات جلد نہم ص۳۸۲ تا ص۳۸۳)

آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غمگین و محزون مگر ہم اپنے ربّ کی رضا پر راضی ہیں!
ہم اُس کی تقدیر پر خوش ہیں کہ بلانے والا ہمیں جانے والے سے زیادہ پیارا ہے!

گذشتہ سال دسمبر کے شروع میں جب حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ رحلت فرما گئیں تو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کے غمگین قلوب اور اس کی محبت و اخلاص کو دیکھ جو پیغام جماعت کے نام دیا اس کا ایک حصّہ درج ذیل کیا جاتا ہے اسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے گویا حضور عالمِ جاودانی سے ہمیں ڈھارس دے رہے ہیں اور ہمارے لئے دُعائیں کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور کی ان سب دُعاؤں کو ہمارے حق میں قبول فرمائے۔ آمین۔

(۱) "جان سے پیارے بھائیو اور بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

بلانے والا ہے سب سے پیارا ؛ اسی پہ اے دِل تو جاں فدا کر

آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غمگین و محزون۔ مگر ہم اپنے رب کی رضا پہ راضی اور اس کی تقدیر پر خوش ہیں کہ بلانے والا ہمیں جانے والے سے زیادہ پیارا ہے۔ اس کا ہر کام حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ ہم سب اس کی امانتیں ہیں ..... ہم اس پر توکل کرتے ہیں اور اس کی طرف سے آنے والے اس بھاری امتحان کو قبول کرتے ہیں۔ انی مع اللہ فی کل حال ہمارے دل کی آواز اور ہماری رُوح کی پکار ہے ..... آپ سب نے جس پیار اور محبت اور ہمدردی کا مظاہرہ کیا ہے اس سے ایک بار پھر ہمارے محبوب اور ہمارے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے کہ مومن ایک ہی جسم کے اعضاء ہیں۔ جب ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم اسے محسوس کرتا ہے اس لئے یہ درد اور یہ غم مشترک اور یہ صدمہ سانجھا ہے۔ یہ سب ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عاشق صادق کی ہی برکت ہے۔ آپ کے اس پیار اور محبت اور اخلاص کی میرے دل میں بڑی قدر ہے اور اس کے لئے میں آپ سب کا بہت ممنون ہوں۔ اس کے شکریہ میں میں آپ کے لئے دُعا ہی کر سکتا ہوں۔ میرا رب آپ کے اس اخلاص کو قبول کرے آپ پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرے۔ ہر دُکھ اور پریشانی سے آپ کو بچائے آمین۔

اَے میرے ربّ میرے رحیم اور کریم خدا! میرے پیاروں کو اپنی پناہ میں رکھ جس پیار اور محبت اور اپنائیت اور اخلاص کا اظہار انہوں نے میرے ساتھ کیا ہے اسی پیار اور محبت کا سلوک تُو ان سے کر۔ شفقت اور رحمت کی نظر سے ان کو دیکھ۔ اے میرے مہربان اور رحمٰن خدا! تُو ان کا ہو جا اور یہ تیرے ہو جائیں میری آنکھیں ہمیشہ ان سے ٹھنڈی رہیں۔ میرا دل ہمیشہ ان سے راضی رہے اور میری رُوح ہمیشہ ان سے خوش رہے۔ اے میرے ربّ مجھے ان کی کوئی تکلیف نہ دکھا ہر خیر ان کو عطا کر اور ہر بھلائی کا ان کو وارث کر۔ یہ دُنیا میں تیری بادشاہت اور دلوں میں تیری اور تیرے مقدس رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت قائم کرنے والے ہوں۔ اے خدا تُو ایسا ہی کر ــــ مرزا ناصر احمد (خلیفۃ المسیح الثالث ۸-۱۲-۸۱)" (الفضل ۱۰ دسمبر ۱۹۸۱ء)

(۲) "ان سارے غموں کو اُڑانے کے لئے ایک ہی فقرہ کافی ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ یہ موقعے غم کے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حصول کے ہیں انہیں اپنی غفلتوں سے ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اللہ تعالےٰ کے وفادار بنے رہے تو وہ ہم پر اپنی رحمتوں کی بارش اسی طرح کرتا رہے گا جس طرح پہلے کرتا چلا آیا ہے۔" (الفضل ۷ دسمبر ۱۹۸۱ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل سے محو ہونے والی یاد نہیں ہے۔ اس کے تذکرے انشاء اللہ جاری رہیں گے

آپ بے حد ہمدرد اور شفیق تھے۔ بڑے تحمل اور عفو سے کام لیا۔ ہمارے ساتھ بڑی محبت و شفقت کا سلوک فرمایا

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی رحلت پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کے تاثرات

(۱)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱ر جون ۱۹۸۲ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کا رقّت بھرے لہجہ میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حضور کی یاد دل سے محو ہونے والی یاد نہیں اس کے تذکرے انشاء اللہ جاری رہیں گے۔ آخری بیماری کا ایک واقعہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ وفات سے غالباً ایک یا دو دن پہلے آپا طاہرہ کو حضور نے فرمایا۔ گذشتہ چار دنوں میں میری اپنے رب سے بہت باتیں ہوئی ہیں۔ میں نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے میرے اللہ! اگر تُو مجھے بلاتے ہی میں راضی ہے تو میں راضی ہوں۔ مجھے کوئی تردد نہیں۔ میں ہر وقت تیرے حضور حاضر بیٹھا ہوں لیکن اگر تیری رضا یہ اجازت دے کہ جو کام میں نے شروع کر رکھے ہیں ان کی تکمیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تو یہ تیری عطا ہے۔ خدا کی تقدیر جس طرح راضی تھی اور جس طرح آپ نے سرِ تسلیم خم کیا آج ساری جماعت اسی تقدیر کے حضور سرِ تسلیم خم کر رہی ہے اللہ ہمارے صبر اور ہماری رضا میں اور بھی برکت دے اور ہمیشہ ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہنا سکھا دے۔ آمین" (الفضل ۲۲ر جون ۱۹۸۲ء)

(۲)

۱۰ر جون ۱۹۸۲ء کو منصب خلافت پر متمکن ہونے کے معاً بعد حضور نے مسجد مبارک میں جو خطاب فرمایا اس میں آپ نے فرمایا:۔

"دوست دعاؤں میں اپنے نہایت ہی محبوب اور پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی خاص طور پر یاد رکھیں۔ آپ نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ ہم سے سلوک فرمایا اور بڑے تحمل اور عفو کے ساتھ ہماری غفلتوں سے پردہ پوشی کی۔ آپ کامل وفا کے ساتھ اپنے رب کے کاموں پر لگے رہے۔ اتنا بوجھ آپ پر ڈالا گیا کہ میں جب دیکھتا تھا تو لرز اُٹھتا تھا کہ کیسے انسان میں طاقت ہے کہ وہ اتنا بوجھ اٹھا سکے مسلسل بیماریوں کے باوجود، کمزوری کے باوجود جب بھی حضور کو وقت ملا میں نے دیکھا کہ رات بعض دفعہ دو بجے تک بعض دفعہ صبح تین بجے تک آپ نے لوگوں کے خطوط کے جواب دیئے اور ڈاک کو دیکھا اور ختم کیا مسلسل دُعائیں کرتے رہے۔ ایسی راتیں آپ کی زندگی میں آئیں ابتلاء کے دنوں میں جبکہ ایک لمحہ کے لئے بھی آپ نہیں سوئے اور ساری رات اپنے رب کو یاد کرتے رہے، اس سے رحمت اور فضل مانگتے رہے جہاں تک مجھے واسطہ پڑا میں نے دیکھا آپ بے حد ہمدرد تھے، بے حد شفیق تھے۔ لوگوں کے ذرا سے دُکھ سے آپ کو بہت دُکھ پہنچتا تھا۔ آپ کا حق ہے جانے والے کا حق ہے کہ ہم آپ سے کامل وفا اور محبت کا سلوک کرتے ہوئے ہمیشہ آپ کو دُعاؤں میں یاد رکھتے رہیں۔" (الفضل ۱۹ر جون ۱۹۸۲ء)

میرِ محفل چل دیا جانِ جہاں رُخصت ہُوا!

محترمہ صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ

دل کی دُنیا میں کبھی ایسا بھی سنّاٹا نہ تھا
ہم ہی ساکت ہوگئے تھے وقت تو ٹھہرا نہ تھا

ہر کوئی اپنی جگہ حیران و ششدر رہ گیا
بات معمولی نہ تھی، یہ واقعہ چھوٹا نہ تھا

یہ بجا کہ وسوسے بھی دل میں اٹھتے تھے مگر
یوں بھی ہو جائے گا ایسا تو کبھی سوچا نہ تھا

وسوسے تھے، خوف تھا، ڈر بھی تھا، اندیشے بھی تھے
اتنا روشن چاند پہلے ڈوبتے دیکھا نہ تھا

خیف اس کے واسطے ہم اس قدر جاگے نہ تھے
جو ہماری فکر میں سُکھ سے کبھی سویا نہ تھا

ضرب کاری تھی بہت آخر شکستہ ہوگیا
دل ہی تھا پہلو میں پتھر کا کوئی ٹکڑا نہ تھا

اُس کے سینے میں اگر ہو درد کی دُنیا تو ہو
اُس کے چہرے پر کسی بھی کرب کا سایہ نہ تھا

ایک اس کے دم سے کتنی محفلیں آباد تھیں
ذات میں اپنی تھا وہ اک انجمن تنہا نہ تھا

تھا بہاروں کا پیامی اُس کے چہرے کا گلاب
مشکلوں کے ریگزاروں میں بھی کُملایا نہ تھا

وہ تر و تازہ، شگفتہ، خنداں، روشن، دلرُبا
بُھول جاؤں میں جسے ایسا تو وہ چہرہ نہ تھا

وہ گیا کیا! اعتبارِ زندگی جاتا رہا
لُطفِ بزمِ ما، نکھارِ زندگی جاتا رہا

میرِ محفل چل دیا، جانِ جہاں رخصت ہُوا
وہ شبیہ خوباں، وہ ماہِ مہروشاں رخصت ہُوا

بن گئی تقدیر ساز اس کی دُعائے مستجاب
وہ شبِ اسپانیہ کا راز داں رخصت ہُوا

جس کے قدموں نے جِلا بخشی تھی اُس کی خاک کو
اُندلس حیران ہے کہ وہ کہاں رخصت ہُوا

عمر بھر وہ پیار کے ساغر لنڈھاتا چل دیا
شاہ دل ساقی، سخی پیرِ مغاں رخصت ہُوا

پیار بھی تھا، دلرُبائی بھی تھی، رعنائی بھی تھی
رونق و تزئینِ بزمِ دوستاں رخصت ہُوا

عجز کی راہوں پہ چل کے پا گیا اَوجِ کمال
بن کے محبوبِ خدائے دو جہاں رخصت ہُوا

کچھ اشارہ رخصتی کا، نہ وداع کی بات کی
وہ ہوا رخصت! پہ بے سان وگماں رخصت ہوا

یہ نہیں ہیں شعر، سوزِ زندگی کی ہے تپک
چار سُو پھیلی ہوئی ہے میرے زخموں کی مہک

چاند اِک رخصت ہوا، اِک ماہ پارا آگیا
جگمگاتا، روشنی دیتا ستارا آگیا

مطلعِ انوار پہ چھائی گھٹا چھٹنے لگی
پھر نظر کے سامنے روشن نظارا آگیا

بحرِ ظلمت میں گھری تھیں کشتیاں کہ ایکدم
سامنے پھر روشنی کا اِک منارا آگیا

مُصلحِ موعود کا اِک اور فرزندِ جلیل
حالتِ بے چارگی میں بن کے چَارا آگیا

حُسن جس کا آج تک مستور پردے میں رہا
حُسن و خُوبی کو کئے وہ آشکارا آگیا

مرحبا! پھر صاحبِ عزّ و وقار آ ہی گیا
پھر خُدا کی قدرتوں کا اعتبار آ ہی گیا

حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ مدظلہا العالی کے نام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو نہایت اہم خطوط کے عکس

(یہ خطوط حضور نے بیرونی ممالک کے دوروں کے دوران رقم فرمائے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ——— نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مکرمہ محترمہ مخدومہ آپا صدیقہ صاحبہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دو شفقت بھرے خطوط ملے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

افسوس ہے کہ بوجہ بے حد مصروفیت انکا جواب دیر بعد لکھ رہا ہوں۔ معذرت کے ساتھ دعا کی درخواست بھی ہے۔

یہاں بے حد مصروفیت رہی ہے۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت اور محبت سے بڑی کامیابی کے سامان پیدا کر دیے ہیں۔ صرف ہیمبرگ کے علاقہ میں ٹیلیویژن پر اندازاً ۵۰ لاکھ ۔ ۶۰ لاکھ دیکھنے والے احمدیت سے متعارف ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سوئٹزرلینڈ میں وہاں کے ٹیلیویژن پر ۱۵ لاکھ آدمی احمدیت سے متعارف ہوئے ہیں۔ ہیمبرگ کے صوبہ میں صرف چار معروف اخبار ہیں۔ تین صبح شائع ہوتے ہیں ایک شام۔ ہر چہار اخبار والوں نے توجہ کھینچنے والی بڑی تصاویر شائع کر کے خبریں شائع کیں۔ یہ شہر تین ملین کا ہے کہ اگر ۳ اپنے

زندہ خدا سے زندہ تعلق قائم نہ کر سکے تو تباہ ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ ۔
نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے دن بازار میں جب گئے تو سارا بازار ...

تھوڑے عرصہ میں ہم تو عام لوگوں میں مشہور ہو گئے ۔ مسز بیگم ایک سٹور میں گئی
خرید و فروخت کرنے ۔ سب سٹور کے گرد جمع ہو گئے ۔ پریس کانفرنس
پر تقاریر کا سلسلہ چلا ۔ حالانکہ والد ڈرتے تھے کہیں امتحان کے متعلق
سوال ایسے رنگ میں نہ کر دیا جائے جس سے نقصان ہو ۔ کیونکہ اسلام دشمنی
تو عام طور پر ہے ۔ الحمدللہ نے آپ رعب ڈالا کہ وہ امتحان کے سوال کی جرأت
ہی نہ کر سکے ۔ ہائیڈل برگ میں پریس کانفرنس ہو رہا ۔ ڈیڑھ گھنٹہ کی تھی
بڑی حد تک دلچسپ سوالات کئے گئے اور تسلی بخش جواب الحمدللہ نے دلوائے
پیشگوئیوں کا سمجھنا آپ کے لئے بہت مشکل ہے ۔ آسمان کھول رکھا ہے اخبار نے اس کا
ذکر اس قسم بھی کیا ہے ۔ اس قدر دلچسپی لی کہ دیکھنے والے حیران
تھے اور خدا کا ایک بندہ اپنے رب کی حمد سے معمور ۔ خاکسار بندہ
ربوہ اور اہل ربوہ ۔ اہل پاکستان کو یاد کرتے دل اداس ہے
اور دعا گو ۔ دعاؤں کی بہت ضرورت ہے ۔ دعا کی درخواست کے ساتھ

سب کی خدمت میں سلام ۔
بچوں کو پیار
آپکا
بیٹے میر داؤد احمد کو بھی
پڑھا دیں

HOTEL
AMBASSADOR
AN INTER-CONTINENTAL HOTEL

غانا
26.6.79

مکرمہ محترمہ آپا صدیقہ صاحبہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دو خطوط غانا میں مل گئے۔ جزاک اللہ

الحمدللہ ادھر بھی سب خیر ہے۔ خیریت سے ہے۔ بابا بھی خیریت سے ہے۔ حضور نے بھی متعدد خواب دیکھے ہیں۔ دعا صدقہ سے انداز ٹل جاتا ہے۔ اللہ رب کریم سے یہی امید ہے۔ وہ آپ سب کو محفوظ رکھے۔ وہ آواز دو کہیں تین جگہ حضرات سے جو ہو گئے۔ جو تنہا تھی۔ دنیا کی ساری ہی طاقتیں اسے خاموش کرانے لگی تھیں۔ آخر کے جنگلوں میں اس آواز کی مسجد ہو گئی تھی۔ گونج سنی۔ اس شہر خدا کے نمایاں اشارے دیکھا۔ واللہ علی کل شیءٍ قدیر۔ آنحضرت صلعم کی ابدی حیات کے حسین جلوے نظر کے سامنے آئے۔ اللہ اکبر۔ اللھم صل علیہ وآلہ

مرد زن۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے سب کو آپ کے عشق میں مست الست دیکھا۔ مسکراتے چہروں پر مستقبل کی عظیم فتح کے آثار پائے۔ دل اللہ کی حمد سے لبریز ہو گیا۔ اور روح ایک حضور سجدہ ریز۔ جو آنکھ نے دیکھا۔ جو دل نے محسوس کیا۔ قلم کو تاب بیان کہاں

ناہموار تخیل کو سمیٹ رہیں۔ شاید آپ کچھ محسوس کر سکیں۔

TEL 64646 CABLE: INHOTELCOR P.O. BOX 3044 ACCRA, GHANA

دعا کرتے رہیں۔ جس منجھ الحمد کو دعائیں۔ انہوں نے سمجھنے
کی توفیق پائی ہے اس کے کریں از مساوی جلد یہ ملاقات
آمین اور السلام علیکم۔

سب کو سلام پہنچا دیں۔ دعا

خیریت کو مستم پیار

دستخط ۲ اپریل

اللہ تعالےٰ کے حضور التجا

(حضرت سیدہ طاہرہ صدیقہ ناصر صاحبہ مدظلہا حرم ثانی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالےٰ)

زندگی میں پہلی دفعہ چند اشعار حضرت مصلح موعود کی وفات پر لکھے تھے جو مصباح میں شائع ہوئے۔ اُس وقت مَیں پانچویں جماعت میں تھی۔ اس کے بعد کبھی اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ اَب یہ چند ٹوٹے پھوٹے اشعار اپنے جذبات کے اظہار کے لئے لکھے ہیں۔ مگر اپنے دِلی جذبات کا پُورا اظہار اَب بھی نہیں کر سکی۔

خاکسار طاہرہ صدیقہ ناصر

جانتی تھی مَیں یہ بات اچھی طرح
تیرے محبوب کے مَیں تو قابل نہ تھی
پر مرے مولیٰ تیرا یہ احسان ہے
وہ عطا مجھ پہ کی جو نہ سوچی کبھی

جس میں پیدا ہوئی میں۔ پلی اور بڑھی
چھوڑنے پر نہ اُس گھر کو۔ کچھ غم ہوا
بھول بیٹھی تھی میں۔ ماں کے بھی پیار کو
میری امی کو مجھ سے گِلہ ہی رہا

جب کیا مجھ سے شکوہ میں چُپ ہی رہی
اور کہتی بھی کیا ؟ تھی حقیقت یہی
یاد کچھ نہ رہا اپنا ماضی مجھے
اس قدر خوش تھی میں۔ اتنی مسرور تھی

وقت ہر دم خوشی سے تھا یوں بہہ رہا
غم کا طوفاں نہ آئے گا جیسے کبھی
پر یہ طوفان آ کر ہی آخر رہا
ایسا آیا۔ نہ جائے گا جیسے کبھی

چار دن[1] پہلے گذرے تو پھر اے خُدا
میں یہ سمجھی کہ تُو نے ہے سُن لی دُعا
کچھ دنوں بعد اچھّے یہ ہو جائیں گے
پھر وہی دَور آئے گا آغاز کا

آخری شام کتنے تھے مسرور وہ
میں بھی خوش اور ہشّاش بشّاش تھی
پھر اچانک ہی بدلا وہ رنگِ سحر
اور دَر آئی یک دم گھنی تیرگی

[1] حضور کی آخری بیماری کے پہلے چار دن مراد ہیں ۔

جانے مجھ کو ملی کس خطا کی سزا
شکر تیرا نہ شائد ادا کر سکی
مَیں تو سمجھی تھی باقی بہت وقت ہے
شکر کرنے کو اِک زندگی ہے پڑی

مَیں تو بے حد تھی کمزور اور ناتواں
تُو نے اتنا کڑا لے لیا اِمتحاں
پھر بھی مولا! نہیں تجھ سے مایوس مَیں
التجا نہ مری جائے گی رائیگاں

بخش دے مجھ کو اے میرے پیارے خُدا
میرے عیبوں کو بھی ڈھانپ مولا مرے
مجھ سے راضی رہے تُو ہر اک گام پر
مجھ پہ انعام ہر دم ہوں آقا میرے

پُورا کردُوں گی مَیں اُن کی اُمید کو
اپنے محبوب سے ہے یہ وَعدہ مِرا
اَب وہی عزم و ہمت دکھاؤں گی مَیں
وہ جو مطلب بتایا صدیقہ کا تھا

مجھ اکیلی سے لیکن یہ ممکن نہیں
جب تلک تُو نہ میرا سہارا بنے
اس لئے تُو ہی اے میری جاں کی سپر
عزم و ہمت کی اَب مجھکو توفیق دے

حضور حضرت سیّدہ بیگم صاحبہ مرحومہ کے ہمراہ
(گوٹن برگ (سویڈن) میں مسجد کے سنگِ بنیاد کے موقع پر)

بریڈ فورڈ (انگلستان) میں مشن ہاؤس کی
افتتاحی تقریب

۱۹۷۹ء کے سفر یورپ کی دو تصاویر

حضور حضرت چوہدری ظفر اللہ خانصاحب سے گفتگو فرما رہے ہیں

مشن ہاؤس مڈل سیکس (انگلستان) کی افتتاحی تقریب میں

بیرونی ممالک کے تبلیغی و تربیتی سفروں کی چند تصاویر
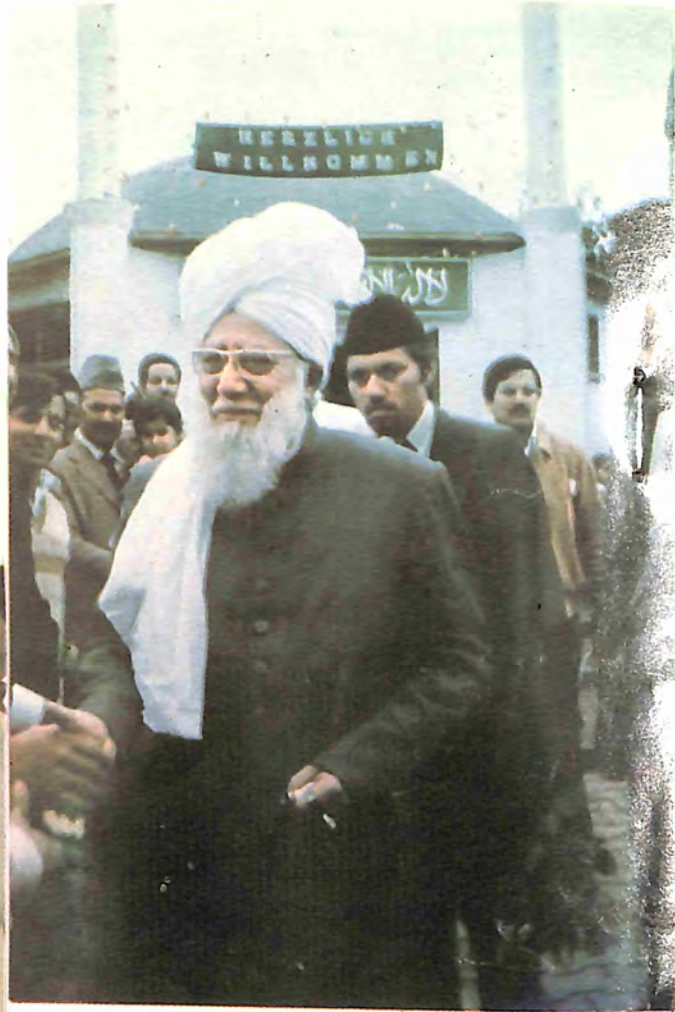
حضور ڈاکٹر ولی شاہ صاحب لنڈن کے بیٹے کو پیار کر رہے ہیں۔

انگلستان میں پریس کے ایک نمائندہ کو انٹرویو
(عقب میں شیخ مبارک احمد صاحب امام مسجد فضل لنڈن نظر آ رہے ہیں)
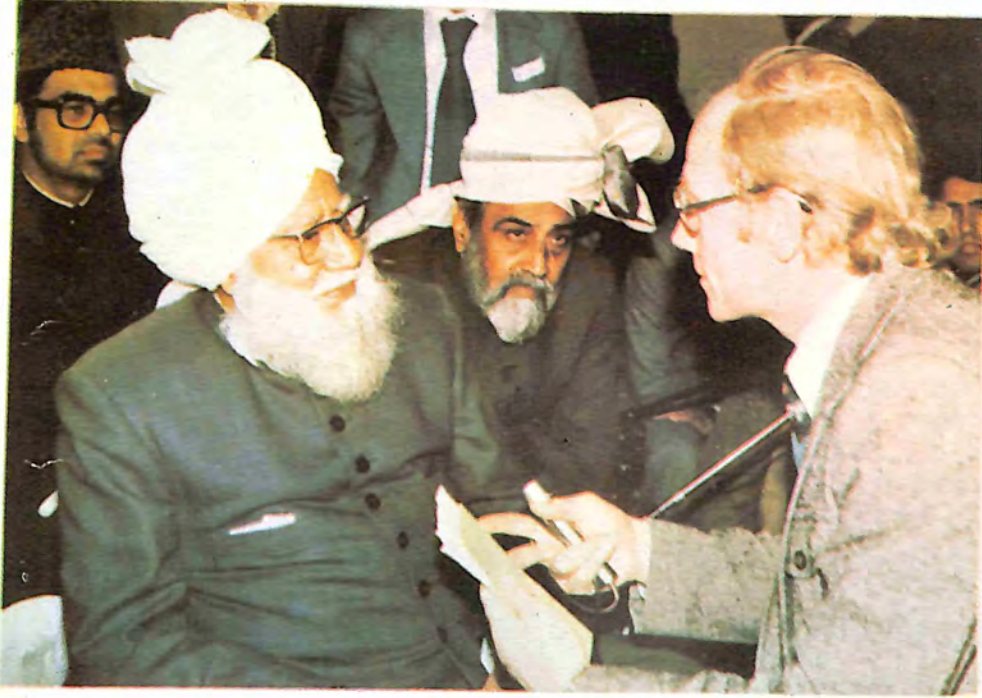
ڈاکٹر عبد السلام صاحب (نوبیل انعام یافتہ) کے ہمراہ

جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء کے موقع پر

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کا احمدی خواتین سے خطاب

اسلام میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کے راستے مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی یکساں طور پر کھلے ہیں

اب یہ آپ کا اختیار ہے کہ آپ اپنی کوششوں اور قربانیوں کے ذریعے رضائے الٰہی حاصل کرتی ہیں یا نہیں

مرتبہ: مکرم محمد انور صاحب قریشی رکن شعبہ زود نویسی ربوہ

نوٹ:- جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء کے موقع پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے مورخہ ۲۷، فتح ۱۳۵۸ہش بمطابق ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۹ء احمدی مستورات کے سالانہ جلسہ پر ان سے جو خطاب فرمایا۔ اس کا مکمل متن درج ذیل ہے۔

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

دو تین روز سے میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اس لئے آپ کی بڑی مہربانی ہوگی کہ آپ یہاں نہ خود شور مچائیں۔ نہ آپ کے ساتھ اگر بچے ہوں تو انہیں شور مچانے دیں۔ خاموشی سے سنیں۔ جو باتیں میں اس وقت کہنا چاہتا ہوں وہ خاص طور پر آپ سے تعلق رکھنے والی ہیں میرے آج کے مضمون کا عنوان ہے

"عورت، قرآنِ عظیم کی تعلیم کی روشنی میں"

قرآنِ عظیم بڑی ہی عظیم کتاب ہے۔ اس نے جہاں مردوں کی ہدایت کے متعلق ایک کامل اور مکمل شریعت دی جو اُن کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کی کامل نشوونما کرنے کی اہلیت رکھتی ہے وہاں یہ شریعت عورتوں کی تمام صلاحیتوں اور استعدادوں کی بھی کامل نشوونما کرتی ہے۔ وہ ایک ہی ہدایت ہے جو مرد و زن کے لئے نازل کی گئی ہے۔ مضمون شروع کرنے سے پہلے ایک ابتدائی ضروری بات میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم نے صرف میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کے متعلق ہی

تعلیم نہیں دی یا ماں باپ بیٹیوں اور ان کے ماں باپ کے متعلق موٹے موٹے جو رشتے ہیں ان کا ذکر نہیں کیا بلکہ تفصیلی علم ہمیں دیا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کی پیدائش کس نقطے سے اس کائنات میں شروع ہوئی۔ اور کس طرح ارتقائی مدارج میں سے گذرتے ہوئے آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے ایک ہی چیز سے ایک ہی حالات میں انہوں نے نشوونما پائی اور ان کی ایک ہی ماحول میں ایک ہی قانون کے مطابق قوتیں اور طاقتیں بڑھیں اور پلیں اور ہر دو کو اس قابل کیا کہ جس طرح مرد اپنی کوشش اور قربانیوں سے اور اپنے جذبۂ ایثار کے نتیجہ میں اور خدا کے لئے اپنے عشق کی وجہ سے خدا تعالےٰ کے پیار کو حاصل کرے۔ اسی طرح عورت بھی کرے۔ اُس کو بھی سب چیزیں دی گئی ہیں۔

قرآن کریم نے اپنے سب احکام میں اپنے سب اوامر و نواہی میں

مَرد اور عورت ہر دو کو مخاطب کیا ہے۔ عورتوں کا ذکر عورت کہہ کے یعنی اُنثیٰ۔ مَرد کے مقابلے میں جو کیا گیا ہے وہ قریباً ۲۳۲ آیات ہیں قرآن کریم کی۔ جن میں عورت کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان آیات میں سے ایک وہ بھی ہے کہ اے مَرد اور اے عورت میں تم سب کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس لئے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بحیثیت رسول کے جو کامل شریعت لے کر آئے وہ اس طرح مَرد کے لئے ہے جس طرح عورت کے لئے ہے۔ اس لئے آپ نے جب الانسان کو انسان کے لفظ سے نہیں بلکہ کُمْ کی ضمیر کے ساتھ

یا اَلَّذِیْنَ کہہ کے ان کا ذکر کیا اس میں بھی لازماً ہماری عقل یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ مَرد بھی شامل ہیں اور عورت بھی شامل ہے۔ قرآن کریم میں انسان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اِنس کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بشر کا لفظ استعمال ہوا اور ناس کا لفظ استعمال ہوا۔ اور زوج کا لفظ استعمال ہوا اور نساء کا لفظ استعمال ہوا۔

زَوْجَین جب ہم کہیں تو اس میں مَرد و زن ہر دو آجاتے ہیں۔

اَزْوَاج ہم جب بولتے ہیں تو اس میں بہت سی جگہ صرف بیوی مراد ہوتی ہے۔ نساء ہیں ہی عورتیں۔

الناس جمع ہے اور اس کا مفرد عربی زبان میں انسان ہے اور لغت میں ہے کہ

اَلنَّاسُ اِسْمٌ وُضِعَ لِلْجَمْعِ
کَالرَّھْطِ وَالْقَوْمِ وَاحِدُہٗ
اِنْسَانٌ مِنْ غَیْرِ لَفْظِہٖ

کہ ناس کا لفظ جمع کے لئے ہے جس طرح رھط اور قوم بھی جمع کے لئے ہیں۔ اور النّاس کا واحد انسان ہے مگر یہ ناس کا جو ROOT (روٹ) ہے جو مصدر ہے وہ اور ہے اور انسان کا اور ہے۔

پھر بَشَر ہے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ بشر میں عورت شامل نہیں لیکن بشر انسان کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ ذکراً و اُنثیٰ۔ واحداً وجمعاً۔ واحد کے لئے بھی بشر ہے اور جمع کے لئے بھی بشر ہے۔ مَرد کے لئے بھی بشر ہے اور عورت کے لئے بھی بشر ہے۔

قرآن کریم نے ۶۵ بار انسان کا لفظ استعمال کیا
ہے اور ۱۸ بار انس کا زوج کا لفظ ۷۳ بار اور نساء کا لفظ
۴۲ دفعہ اور ۲۴۰ دفعہ الناس کا لفظ قریباً
استعمال کیا ہے۔

لغتِ عربی میں

الناس کے جو معنیٰ ہیں وہ ذکر پہ بھی چسپاں ہوتے
ہیں مرد پہ بھی لگتے ہیں اور عورت پہ بھی لگتے ہیں انسان
کے جو معنیٰ ہیں وہ مرد پہ بھی لگتے ہیں اور عورت پہ
بھی لگتے ہیں۔ بشر اگر واحد کے لئے استعمال ہو تو ایک
عورت کو بھی لغتِ عربی بشر کہے گی۔

اس کے علاوہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ بنیادی
طور پر انسان کے ذکر میں اور بشر کے ذکر میں اور
انس کے ذکر میں مرد و زن آگئے ہیں۔ مثلاً نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ (یہ قرآن کریم کی آیت ہے)
کہ اعلان کر دو کہ ہر مرد اور ہر عورت کی طرف میں
رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف آیت: ۱۵۹)
اس لئے قرآن کریم کا ہر مخاطب (سوائے اس کے کہ اس کا
مضمون بتا رہا ہو کہ صرف عورت مراد ہے یا صرف مرد مراد
ہے)۔ اور ہر حکم کے مخاطب مرد و زن ایک جیسے ہیں۔

غیر مسلم دہریہ یا عیسائی یا دوسرے ملکوں میں
رہنے والے جن کو اسلامی تعلیم کا علم نہیں ہے وہ عام طور پر

یہ اعتراض کرتے ہیں

کہ اسلامی تعلیم عورت کے متعلق کچھ بتاتی نہیں کہ اس
کے حقوق کیا ہیں اور سوسائٹی میں اس کا مقام کیا ہے
وغیرہ وغیرہ۔ یا وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ عورت کو اسلام
میں حقارت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یا کہہ دیتے ہیں کہ
اسلام کے نزدیک عورت کو تو کوئی جزا سزا ہی نہیں
ملنی۔ اس کی تو رُوح ہی کوئی نہیں۔ صرف مرد جنت میں
جائیں گے عورتیں جائیں گی ہی نہیں یہ غلط باتیں سن کر
اور غلط اعتراض جو کئے جاتے ہیں انہیں سن کر میرے
دماغ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرف متوجہ کیا کہ میں

عورت کے متعلق قرآنِ کریم کی تعلیم

کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دوں۔ ظاہر ہے کہ ۴۳۲ آیات
جو ہیں اُنکی تفصیل میں اس جلسے میں اس ۴۰-۴۵
منٹ میں تو نہیں بیان کر سکتا۔ لیکن میں نے یہ ارادہ کیا
ہے کہ اس نہایت ہی اہم مضمون کی ابتدا میں اس جلسہ سے
کر دوں۔ اور آپ بہنوں کو میں یہ بتاؤں کہ جس مقام
پر اللہ تعالیٰ نے مرد کو کھڑا کیا۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ
نے عورت کو بھی کھڑا کیا ہے۔ جس پیار کا اظہار اللہ تعالیٰ
نے نیک مردوں کے متعلق کیا اسی پیار کا اظہار اللہ تعالیٰ
نے نیک عورتوں کے متعلق کیا۔ جس جنت کا ذکر اللہ تعالیٰ
نے مردوں کے متعلق کیا اسی جنت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے
عورتوں کے متعلق بھی کیا۔ جن رفعتوں کے حصول کے امکان کا
ذکر اللہ تعالیٰ نے مردوں کے متعلق کیا۔ انہی رفعتوں
کے حصول کے امکان کا ذکر (امکان کا مطلب یہ ہے کہ
اگر کوشش کریں تو وہاں تک پہنچ سکتی ہیں۔) اللہ تعالیٰ
نے عورت کے متعلق بھی کیا ہے

سارا قرآن پڑھ جائیں

سوائے چند ایسی طاقتوں کے جو عورت کو دی گئیں اور

مَرد کو نہیں دی گئیں اور بعض ایسی چند طاقتوں کے جو مَرد کو دی گئیں اور عورت کو نہیں دی گئیں۔ کسی جگہ بھی مَرد و زن میں اسلام تفریق نہیں کرتا۔ اسلام آپ سب کو زمین سے اُٹھا کر ساتویں آسمان کی بلندیوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ آگے آپ کی مرضی ہے کہ آپ اپنی قربانیوں کے نتیجہ میں خدا سے پیار کر کے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کر کے اور دن میں بے شمار بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر ان رفعتوں کو حاصل کرنے کے نتیجہ میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں اپنی جگہ بناتی ہیں یا نہیں بناتیں۔ رستے میں روک کوئی نہیں۔ روک اگر کوئی ہے تو آپ کی اپنی طرف سے ہوگی خدا تعالےٰ نے کوئی روک نہیں رکھی۔ نہ مَرد کی راہ میں کوئی روک رکھی گئی ہے نہ عورت کی راہ میں کوئی روک رکھی گئی۔ آپ سب خدا تعالےٰ کو خوش کر سکتی ہیں اگر چاہیں۔ اپنے پیار کے نتیجہ میں۔ خدا تعالیٰ آپ سے سب کچھ نہیں مانگتا خدا تعالیٰ آپ کے دل میں اپنی محبت مانگتا ہے اس کا مطالبہ کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ آپ سے مطالبہ کرتا ہے

کہ محمدؐ میرے محبوب ہیں اُن کی اتباع کرو تو میری محبت کو پالو گے۔ مَرد سے بھی یہی مطالبہ کیا عورت سے بھی یہی مطالبہ کیا۔

اس تمہید کے بعد مَیں مضمون کے ایک حصّے کو مختصر طور پر بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ دُعا کریں مَیں بھی دُعا کروں گا کہ خدا مجھے اس کی توفیق دے۔ مَیں ارادہ رکھتا ہوں کہ بعد میں مَیں خطبات میں پھر اس مضمون کو بیان کرتا رہوں اور جب یہ مکمل ہو جائے اور خدا مجھے اس کی توفیق دے تو پھر کتابی شکل میں یہ شائع ہو جائے۔ اور وہ معترض زبان ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے جو یہ کہتی ہے کہ عورت کا کوئی مقام نہیں۔ جس طرح مرد کا مقام اسلام میں ہے وہی عورت کا مقام ہے۔

اگر ۲ بت بنائے جائیں

ایک ہو مٹی کا اور ایک سونے کا۔ اور دونوں کی شکلیں اور قد اور لمبائی اور چوڑائی اور اس کا جو پھیر ہے یعنی موٹائی وہ ایک جیسی ہوں پھر بھی بوجہ اس کے کہ جس مادے سے جس چیز سے وہ بُت بنائے گئے ہیں وہ مختلف ہیں ان میں فرق پڑ جائے گا۔

مَیں موٹی مثالیں دے کے آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ اگر ایک ہی مادہ سے کوئی چیز بنی ہو اور شکل بھی ایک ہو اور عقل بھی ایک ہو اور خاصیتیں بھی ایک ہوں۔ اور اس کا ROOT (روٹ) بھی۔ (جس چیز سے وہ بنائی ہے اللہ تعالےٰ نے) وہ بھی ایک ہو تو پھر عقلاً ان دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اس لحاظ سے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

وَبَدَأَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ۔ (السجدۃ آیت : ۸)

انسان گیلی مٹی سے پیدا کیا گیا۔

طین گیلی مٹی کو کہتے ہیں

جیسا کہ مَیں نے تمہید میں بتایا کہ انسان کے معنیٰ مَرد اور عورت ہر دو کے ہیں۔ تو خدا تعالےٰ نے یہ کہا کہ :-

وَبَدَأَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ

یہ ابتدا ہے۔ انسان کی پیدائش کی۔ مرد اور عورت کی پیدائش کی ابتداء، جو ہے وہ طین سے ہوئی گیلی مٹی سے ہوئی۔ گویا مادّے کے لحاظ سے جس مادّے سے مرد بنا اسی مادّے سے عورت بنی ان میں کوئی فرق نہیں۔ اگر اس میں کوئی فرق نہیں تو عورت و مرد میں فرق کیسے آگے جاکر ہو جائے گا۔ سوائے بعض وجوہات کے جن کا ذکر خود قرآن نے کر دیا۔ پہلی بات یہ بتائی کہ چونکہ ہر دو مرد و زن گیلی مٹی سے پیدا کئے گئے۔ اس لئے ان میں کوئی فرق نہیں۔

دوسری چیز یہ ہے

کہ مادّہ تو ایک ہی ہے۔ لیکن ان کے اندر صفات مختلف پیدا کر دیں بنانے والے نے۔ مثلاً ایک شیشے کا بُت بنایا اور بالکل اس کا DUPLICATE (ڈُپلیکیٹ) بالکل وہی شکل وہی ہر چیز ایک دوسرا بھی شیشے کا بُت بنایا۔ لیکن جو پہلا شیشے کا بُت تھا اس کے اندر اس نے چھوٹے چھوٹے بجلی کے بلب بھی لگا دیئے۔ اس کے بازو میں بھی روشنی ہے۔ اس کے سینے میں بھی روشنی نظر آتی ہے اور اس کے دماغ میں بھی روشنی نظر آتی ہے اس کے دوسرے اعضاء میں۔ سارے وجود میں ایک روشنی نظر آتی ہے اور بڑا خوبصورت لگ رہا ہے وہ۔ لیکن جو دوسرا بُت ہے اس کے اندر کوئی بلب نہیں لگائے گئے کوئی روشنی نہیں کی گئی۔ تو باوجود اس کے کہ دونوں شیشے کے بنے ہوئے ہیں دو مورتیاں دو گڑیاں آپ سمجھیں ہماری زبان میں (مورتیوں سے ہمارا دُور کا بھی واسطہ نہیں) دو گڑیاں جو ہیں وہ دونوں شیشے کی بنیں۔ ایک ہی چیز سے بنی ہوئی ہیں لیکن ایک کے اندر سے

نُور نکل رہا ہے

ضیاء نکل رہی ہے۔ دوسرے میں اندھیرا ہے دونوں میں فرق پڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مرد و زن میں یہ فرق بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ فرمایا کہ جیسے مدارج ہیں سے ارتقائی مدارج میں سے مرد کو گزارا۔ انہی ارتقائی مدارج میں سے عورت کو گزارا۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ
مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ (السجدہ آیت: ۹)

ایک لمبا سلسلہ ہے ارتقائی مدارج کا جو ماں کے پیٹ میں ایک بچّہ کو، (لڑکا ہو یا لڑکی) گزرنا پڑتا ہے۔ پہلے ایک شکل ہے تفصیل سے قرآن کریم نے اس کو بیان کیا ہے (اس تفصیل میں اس وقت جانے کا وقت نہیں،) آپ قرآن پڑھتی ہیں ترجمے میں آپ کو پتہ لگ جائے گا۔ پہلے ایک شکل۔ اس مٹی نے جو گیلی مٹی سے مدارج نکل کے پھر وہ رحم مادر میں وہ پیدائش جو ہے انسان کی وہ وہاں سے شروع ہوئی۔ یہ ایک بڑی انقلابی تبدیلی اس مٹی کے اندر ہے جس سے انسان پیدا ہوا۔ بہت سے مدارج میں سے گزر کے وہی مٹی رحم مادر میں گئی اور وہاں مختلف

ارتقائی مدارج

میں سے وہ گزری۔ خون کا لوتھڑا بنا۔ پھر اس نے ایک اور شکل اختیار کی پھر اور شکل، پھر اور شکل۔ ابھی تک رحم مادر میں کوئی زندگی کوئی رُوح نہیں پیدا ہوئی،

مرد ہے تب بھی، عورت ہے تب بھی۔ لڑکا پیدا ہوتا ہے تب بھی یہی شکل بنتی ہے۔ لڑکی پیدا ہوتی ہے تب بھی یہی شکل بنتی ہے۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ (السجدۃ آیت: ۱۰) پھر ہر دو کو عورت ہو یا مرد، لڑکا ہو یا لڑکی رحمِ مادر میں ان کو خدا تعالیٰ نے وہ قوتیں اور استعدادیں دے دیں جس کی انسان کو ضرورت تھی اور انسان کے متعے جیسا کہ میں نے بتایا مرد کے بھی ہیں اور عورت کے بھی۔ وہ قوتیں دے دیں جن کی مرد کو بھی ضرورت تھی عورت کو بھی ضرورت تھی

وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (السجدۃ آیت: ۱۰)

اور

اپنی رُوح اس میں ڈالی۔

یہ جو نفخِ رُوح ہے اس کی تفصیل لمبی ہے۔ اس وقت تو آپ اتنا ہی سمجھ لیں کہ نفخِ رُوح کے لحاظ سے جو اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ پھر ہم نے تسویہ کے بعد نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ انسان میں خدا تعالیٰ نے اپنی روح کا نفخ کیا۔ مرد کے جسم میں بھی اپنی روح کا نفخ کیا عورت کے جسم میں بھی۔ جو لڑکی کی شکل میں پیدا ہوتا تھا بچہ رحمِ مادر میں اس کے جسم میں بھی اپنی رُوح کا نفخ کیا جو لڑکا پیدا ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔

پھر وہ باہر نکلا اس نے چیخ ماری ایک وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ (السجدہ آیت: ۱۰) پھر اس کو اس نے سُننے کی طاقت دی۔ اور پیدائش کے بعد اسی ترتیب میں طاقتیں آتی ہیں۔ شروع میں بچہ دیکھ نہیں رہا ہوتا لیکن سُن رہا ہوتا ہے۔ اسی واسطے پیدائش کے وقت ہی کان میں خدا کی بزرگی کے کلمات ہم کہتے ہیں اور اذان دیتے ہیں۔ وَالْاَبْصَارَ پھر اس کی آنکھوں میں روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ وَالْاَفْـِٕدَةَ پھر یہ تیسرے مرحلے میں سے انسانی جسم گزرتا ہے اس کا دل، اس کا دماغ کام کرنے لگ جاتا ہے۔ پیدائش کے وقت وہ نتیجہ کوئی نہیں نکالتا۔ اس کا دماغ جو ہے وہ کام نہیں کر رہا۔ دماغ اپنی تمام خوابیدہ طاقتوں کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ لیکن ابھی بیدار نہیں ہُوا ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے بیدار کرتا ہے۔ آگے فرماتا ہے:۔

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔ (السجدہ آیت: ۱۰)

اتنا کچھ حاصل کر لینے کے بعد کم ہیں۔ تم میں سے جو خدا تعالیٰ کے

شکر گزار بندے

بنتے ہیں۔

میں اس وقت بتا یہ رہا ہوں کہ ایک بڑی زبردست چھلانگ لگا کے طین گیلی مٹی اُس شکل میں آئی کہ جب وہ رحمِ مادر میں پڑی۔ وہ بیج کے حصے ہم نے چھوڑ دیئے اس وقت۔ پھر رحمِ مادر میں مختلف ارتقائی مدارج میں سے گذری، وہی گیلی مٹی۔ اور اس کے نتیجے میں بچہ پیدا ہُوا۔ کبھی لڑکی کبھی لڑکا۔ ہر دو ایک جیسے مدارج میں سے گذرے۔ ان کے ساتھ سلوک ایک جیسا ہُوا۔ جب ایک جیسے مدارج میں سے گذریں تو تمہاری عقل کیسے مانتی ہے کہ اسلام کے نزدیک جس

نے یہ تعلیم دی ہے ہمیں حقیقتِ کائنات،

حقیقتِ حیاتِ انسانی،

حقیقتِ وجودِ جسمِ انسانی کی۔ وہ مرد اور عورت میں فرق کیسے کرے گا۔ کان بنائے۔ آنکھیں بنائیں پھر دل بنادیا وہ حواس بن گئے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ

سورۂ انفطار میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اے عورت اور اے مرد تجھ میں کس چیز نے یہ جرأت پیدا کردی کہ تُو اپنی ربوبیت کرنے والے خالق کے سامنے کھڑا ہوجائے اور اس کا باغی ہوجائے۔ وہ رب تیرا جو کریم ہے جس نے تجھے بھی ایک باعزت زندگی گزارنے کے سامان دیئے اَلَّذِيْ خَلَقَكَ اس نے پیدا کیا تیرے جسم کو (جس کی تفصیل اور آیات میں بھی ہے) خلق کا تعلق اس کے ساتھ ہے جو میں ابھی آپ کو بتا چکا ہوں مختلف ادوار ارتقائی مدارج میں سے گذر کے بچہ پیدا ہُوا۔ پھر اس کے کان نے فوراً کام شروع کئے پھر اس کی آنکھوں نے کام شروع کئے پھر اس کے دل نے کام شروع کئے۔ وہ ایک انسان پوری ہوش و حواس والا ساری طاقتوں والا انسان بن گیا۔ خَلَقَكَ جسمانی طاقتیں اس کو عطا کردیں۔ فَسَوّٰكَ پھر اس نے

اندرونی طاقتیں پیدا کیں

ایک ہرن کی طرح صرف جسمانی طاقتیں نہیں دیں۔ ایک گھوڑے کی طرح صرف جسمانی طاقتیں نہیں دیں۔ اس نے خَلَقَكَ پہ آ کے خدا تعالیٰ کے خلق کی جو راستہ تھا جو اس نے طریق اختیار کیا تھا وہاں آ کے ختم نہیں ہو گیا بند نہیں ہوگیا۔ بلکہ انسان کے معاملہ میں مرد اور عورت کے معاملہ میں خدا تعالیٰ کی تقدیر نے چونکہ انسان کو کسی اور غرض کے لئے پیدا کیا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ آگے چلا خدا تعالیٰ کے پیار کا سلوک فَسَوّٰكَ خدا تعالیٰ نے اندرونی طاقتیں پیدا کیں اور اندرونی طاقتیں دے کے انسان کو ایک انسان کی، ایک درست انسان کی شکل میں بنادیا۔ اور وہ طاقتیں جو تھیں وہ مناسب طاقتیں تھیں فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ۔ پھر جو صورت اس نے پسند کی تمہارے لئے اس میں تمہیں ڈھال دیا۔ اِن مدارج میں سے گذرا ہے انسان۔

انسان اپنے مقصدِ حیات کے حصول کے لئے جن ارتقائی مدارج میں سے گذارا گیا وہ ایک تو خلق ہے جس کی تفصیل مَیں نے بتادی۔ اس کے بعد اس کا تسویہ ہونا ہے۔ اس کو متوازن بنانا ہے عَدَلَكَ۔ اور اس کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ

خدا تعالیٰ کی نگاہ میں

ایک ایسی شکل اس کے اندر پیدا ہوجائے جس سے خدا تعالیٰ پیار کرنے لگ جائے اور وہ خدا کا بندہ بن جائے۔ فَسَوّٰكَ۔ عَدَلَكَ۔ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ کے متعلق جب ہم عربی لغت کو دیکھتے ہیں اور قرآن کریم کی دوسری آیات کو سامنے رکھتے ہیں تو اس میں چار باتیں بیان ہوئی ہیں جیسا کہ مَیں نے ابھی بتایا۔ ایک انسان کی خلق، پیدائش۔ دوسرے اس کا تسویہ۔ تیسرے اس کی تعدیل۔ اور چوتھے اپنی پسندیدہ

صورت میں اس کو ڈھالنا۔ پسندیدہ صورت اس کو عطا کرنا۔ اعلیٰ درجہ کے کمالات اس میں رکھ دینا۔ انسان کو جہاں تک پیدا کرنے کا ذکر تھا مختصراً میں نے ذکر کر دیا۔ سَوّٰىكَ کا لفظ اس جگہ کس معنٰی میں استعمال ہؤا۔ سوّٰی کے معنٰی ہیں سب عیبوں اور نقصوں سے پاک بنایا۔ کتنا بڑا احسان ہے خدا کہتا ہے کہ

تمہاری فطرت فطرتِ صحیحہ ہے

پیدائش کے وقت، پیدائش کے بعد جب تک خود تمہاری بدعملی تمہارے چہرے پر بدنما داغ نہ لگائے تم خوبصورت ہو بے عیب اور بے نقص تمہیں پیدا کیا اس نے۔ یہ سوّٰی کے معنے ہیں۔ اس کی تفصیل اقرب یعنی لغت کی کتاب میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام نقائص سے پاک بنایا۔

دوسرے سوّٰی کے معنٰی صرف بے عیب بنانا نہیں بلکہ عیب کو دُور کرنے کے بھی ہیں۔ انسان میں بشری کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ بے عیب بنا کر ہاتھ اپنا کھینچ لیتا اور انسان سے کوئی تعلق نہ رکھتا اور انسان خود جب داغدار ہو جاتا بدنما دھبے اس کے کیریکٹر پر پڑ جاتے تو اس کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہ بنتی۔ پس سوّٰی کے معنٰی یہ ہے کہ عیب کو دُور کیا اس نے۔ جب تم داغدار ہو گئے تو عیب کو دُور کیا۔ جب تم خود بیمار ہو گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ ہیں اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الشعراء آیت: ۸۱) یعنی خدا آجاتا ہے تمہیں شفا دینے۔ جب تمہارے اندر کوئی اخلاقی کمزوری پیدا ہوتی ہے تو اس نے تمہاری فطرت کے اندر یہ رکھا ہے کہ تم توبہ کرو اور

خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو

اور استغفار کرو۔ خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگو تمہارے ہاتھ نے تمہارے چہروں پر جو بدنما دھبے لگائے ہیں خدا تعالیٰ کے پیار کا نرم ہاتھ آئے گا اور ان دھبوں کو دھو دے گا اور پھر تم اسی طرح خوبصورت بن جاؤ گے۔ سوّٰی کے معنٰی بے عیب بنانا ہی نہیں بلکہ عیب کو دُور کرنا بھی ہے۔

انسانی فطرت میں یہ قابلیت اور صلاحیت رکھی ہے کہ جس قدر کمزوریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اگر وہ ساری کی ساری بھی پیدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے انسان کی فطرت کے اندر ہی یہ رکھا ہے کہ وہ اصلاح کی جو تدبیر کرے اس کو وہ قبول کرے۔ خدا تعالیٰ سے ہی ہم نے سب کچھ لینا ہے۔ یہ صلاحیت انسان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی اور انسانی فطرت کا ایک جزو بنا دیا کہ کجی تو انسان ہوگا۔ بدی تو انسان کرے گا۔ دُوری کی راہوں کو تو انسان اختیار کرے گا لیکن اس کجی کو درست کرے گا خدا تعالیٰ۔ اس بدی کو ڈھانپ لے گا بدی کے بد اثرات سے بچائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کہتا ہے کہ اگر تم اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے توبہ کرو گے تو

تمہاری حالت ایسی ہو جائے گی

جیسا کبھی تم نے گناہ کیا ہی نہیں۔ یعنی بالکل پاک ہو جاوے گی تمہاری فطرت جیسی خدا تعالیٰ نے بنائی تھی وہی رنگ پھر فطرت کے اندر آجائے گا۔

تیسرے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ انسان کو ایسے رنگ
میں پیدا کیا کہ فی نفسہٖ انسان میں (قطع نظر اس بات
کے کہ وہ اس کائنات کا ایک حصّہ ہے) اس کائنات کے
ساتھ وہ سب قوتیں اور استعدادیں عطا کی گئی ہیں جو انسانی
ترقی کے لئے ضروری تھیں۔

سوّٰی کے چوتھے معنیٰ

یہ ہیں کہ انسان کے اندر ایسے اعلیٰ درجہ کے کمالات پیدا
کر دیئے گئے ہیں جن سے اگر وہ کام لے تو اللہ تعالیٰ
کے قرب کو اس کے وصل کو حاصل کر سکتا ہے اور اس
میں مَرد اور عورت میں کوئی تفریق نہیں۔ جس طرح مَرد
خدا تعالیٰ کی لقاء اس کے وصال کو حاصل کر سکتا ہے۔
اس کے پیار کو پا سکتا ہے اس کی رضا کی جنتوں میں
داخل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی اس کے پیار
کو حاصل کر سکتی ہے۔ اور اُمّتِ محمدیہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل
اور رحم سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کے
نتیجہ میں جہاں لاکھوں ایسے مَرد پیدا ہوئے جنہوں نے
اللہ تعالیٰ کے پیار کو حاصل کیا۔ وہاں لاکھوں ایسی عورتیں
بھی پیدا ہو چکی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور
محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے خدا تعالیٰ کے پیار کو
حاصل کیا اور اس کی رضا کی جنتیں اس زندگی میں بھی
انہیں مل گئیں۔

تیسری بات

یہ بتائی خَلَقَكَ ۔ سَوّٰكَ کے بعد عَدَلَكَ
اس میں اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ اے انسان مَیں نے
تجھے ایک نہایت ہی اچھی۔ نہایت ہی حسین فطرت اور
طبیعت رکھنے والا وجود ہی نہیں بنایا۔ مثلاً ایک آم خدا
نے بنایا چونسہ قسم اس کی ہے۔ بڑا لذیذ ہے۔ بڑی خوشبو ہے
اس میں اور وہ ثقل نہیں کرتا۔ بڑی خوبیوں کا مالک ہے
وہ آم۔ خدا تعالیٰ کی شان ہے اس نے آم کے اندر یہ چیزیں
پیدا کیں۔ اور انسان کو اس سے لذّت بھی ملتی ہے اس سے
سُرور بھی ملتا ہے اس کی خوشبو سے بھی وہ مسرّت حاصل کرتا
ہے۔ لیکن اس سے زیادہ تو کچھ نہیں نا۔ تو انسان کو بھی اس
آم کی طرح، اس چربی چڑھے دُنبے کی طرح جس کو آپ بڑی
عید پہ قربان کر کے اس کا گوشت کھاتیں اور مزے اڑاتی
ہیں، اس طرح نہیں بنایا کہ اپنی ذات میں بڑا اچھا گوشت
لذیذ کوئی ریشہ نہیں کوئی بدبو نہیں بڑا اچھا صحت مند
گوشت ہے اور آپ اس سے فائدہ اٹھا رہی ہیں اس طرح
نہیں بنایا آپ کو خالی۔ فَعَدَلَكَ اپنے نفس میں ساری
قوتیں صلاحیتیں استعدادیں جو انسان بننے کے لئے انسان
کو چاہئیں تھیں وہ اس کو دے دیں۔ فَعَدَلَكَ پھر
خدا نے انسان کو کہا مَیں نے تجھے

ایک خاص مقصد کے لئے

پیدا کیا اور اس مقصد کے حصول کے لئے یہ ضروری تھا کہ
ساری کائنات پر مَیں تجھے حاکم بناؤں اور کائنات کی ہر شئے کو
مَیں تیرا خادم بناؤں۔ تو کائنات اتنی بڑی! اتنی بڑی کہ
آپ اندازہ لگالیں اس چیز سے کہ اللہ تعالیٰ نے سات
آسمانوں کا ذکر کیا ہے قرآن کریم میں۔ پہلا جو آسمان ہے
وہی ہمارے قریب تر ہے نا۔ اور اس میں یہ وسعت ہے
کہ اس کے اندر غیر محدود سورج ہیں۔ ایک تو ہمارا سُورج
ہے جس کے گرد ہماری زمین گھوم رہی ہے پھر اور ستارے

گھوم رہے ہیں، بے شمار سورج ہیں اور وہ ایک قبیلہ
بنتا ہے۔ اس کو انگریزی میں GALAXY (گیلیکسی)
کہتے ہیں۔ اور اس جو SPACE (سپیس) جس کو
انگریزی میں کہتے ہیں یہ جگہ جس کے اندر یہ سورج اور
ان کے گرد، بے شمار سورج اور ان کے گرد گھومنے والے
ستارے ہیں وہ

ایک گیلیکسی

ہے لیکن اس SPACE (سپیس) کے اندر بے شمار
گیلیکسی ہیں۔ انسان کی نہ عقل ان کا احاطہ کر سکی ہے
نہ کوئی دُور بین ان کا احاطہ کر سکی ہے۔ اور یہ سارا
پہلا آسمان ہے۔ ان سے پرے، پہلے آسمان سے پرے
اس کائنات میں چھ اَور وسعتیں پائی جاتی ہیں۔ جو ہمیں
فائدہ پہنچا رہی ہیں لیکن ابھی تک انسان کی رسائی تو
پہلے آسمان تک ہی ہے۔ یہ جو مَیں نے کہا کہ پہلے آسمان
میں ہی ہیں یہ۔ قرآن کریم نے کہا ہے:۔

زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ (الصّٰفّٰت آیت: ۷)

کہ جو قریب ترین تمہارے آسمان ہے۔ اس آسمان کو ہم
نے خوبصورت بنایا یہ چاند، سورج اور ستاروں سے۔
قرآن کریم نے اس کا اعلان کیا۔

پھر انسان کو کہا تجھے کھانے پینے کے لئے تو نہیں
مَیں نے پیدا کیا۔ نہ یہ کہ اچھے کپڑے پہن لے اور ایک
دوسرے پہ اپنی بڑائی ظاہر کر، کہ میرے کپڑے اچھے ہیں
تیرے اتنے اچھے نہیں۔ اس کام کے لئے تجھے نہیں بنایا۔
تجھے تو

مَیں نے اس لئے بنایا ہے

کہ مَیں جس طرح ساری کائنات پہ حاکم ہوں تُو میرا
نائب بن کر ساری کائنات پہ حکومت کرے۔

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ
(الجاثیہ آیت: ۱۴)

بغیر استثناء، کے ہر چیز کائنات کی ساتوں آسمانوں
اور زمین کی تمہاری خدمت کے لئے مقرر کر دی۔ اس نسبت
سے انسان میں وہ سب طاقتیں ہونی چاہئیں تھیں،
جن سے کائنات کی ہر شے سے وہ خدمت لے سکے۔
فَعَدَلَكَ میں یہی اعلان کیا گیا ہے کہ اپنی ذات
میں بھی تجھے بہت ہی اچھا بنایا گیا۔ سَوّٰكَ۔ سارا
حُسن تیری فطرت کے اندر بھر دیا۔ لیکن ایک نسبت ہے
تیری۔ ایک طرف صرف انسان اور دوسری طرف کُل کائنات
اس نسبت کے لحاظ سے تجھے متوازن قوتیں دی گئیں۔
ایک تکڑی کے پلڑے میں کائنات کو ہر دو جہان کو آپ
رکھ دیں اور دوسرے پلڑے میں صرف انسان کو، تو توازن
ان کا بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ کیونکہ جتنی خاصتیں اور
خواص اور اثر فائدہ پہنچانے کی افادیتیں اس کائنات
کی ہر چیز میں ہیں۔ اس کے مقابلے میں نوع انسانی کو
جو خدا تعالیٰ نے طاقتیں دی ہیں ان کو ہر چیز سے

خدمت لینے کی طاقت

دی گئی۔ کائنات کی ہر شئے سے خدمت لینے کی طاقت دی
گئی۔ لیکن چونکہ وہ ارتقائی دَور میں سے گذرتا ہے جو
چیزیں ابھی تک انسان کی رسائی سے پرے ہیں ان کو

اللہ تعالیٰ کے فرشتے مجبور کرتے ہیں کہ وہ انسان کی خدمت کریں۔ آج سے چار سو سال پہلے بہت ساری چیزوں سے انسان خدمت نہیں لے رہا تھا آج لے رہا ہے۔ آج سے چار سو سال بعد آج جن چیزوں سے ہم خدمت نہیں لے سکتے لینا شروع کر دیں گے۔ انسان اسی طرح چلتا جائے گا ترقی کرتے ہوئے۔

تو عَدَلَكَ میں کہا کہ کائنات کی صفات اور خواص سے متوازن انسان کو صلاحیتیں بخشیں۔

عَدَلَكَ کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ انسان کے وجود کو بیرونی دنیا کی نسبت سے بھی ایسا بنایا ہے کہ وہ اس پر حکومت کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ یعنی سَوّٰىكَ میں جہاں اسے ذاتی کمال بخشا گیا تھا وہاں عَدَلَكَ میں نسبتی کمال کے بخشے جانے کا ذکر ہے۔ اس میں چوتھی بات یہ بتائی گئی ہے کہ ساری کائنات پر تو اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے بگڑے انسان تجھے خدا تعالیٰ نے اپنا نائب بنانے کے لئے پیدا کیا ہے تو کہاں بھٹک رہا ہے اس دُنیا میں۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی طرف نگاہ رکھتا ہے۔ وہ بلندیاں جو تیرے مقدر میں ہیں ان کو بھول جاتا ہے۔ تجھے خدا تعالیٰ نے اپنا نائب بننے کے لئے پیدا کیا ہے اور اس نیابت میں

کائنات پر حکمرانی کی صلاحیّت

تو رکھتا ہے۔ اس لئے انسان اور کائنات کا اللہ نے موازنہ کیا۔ اس لحاظ سے انسان کو متوازن بنایا اور وَضَعَ الْمِيْزَانَ (الرحمٰن آیت: ۸) ایک دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ وہ اس شکل میں بھی پورا کیا گیا کہ انسان کو وہ سب طاقتیں بخشیں جن سے وہ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پر حکومت کر سکتا ہے۔

عَدَلَكَ میں ایک اَور چیز بیان کی گئی کہ جو انسان کو قوتیں اور طاقتیں دی گئی ہیں ان کے اندر بھی

ایک توازن پایا جاتا ہے۔

یہ تو تھا متوازن کائنات کے ساتھ۔ وضع المیزان اپنے اندر بھی۔ اَور یہ ترقیات کا دروازہ کھولتی ہیں ہمارے لئے مثلاً یہ نہیں کہ آپ میں سے بعض کو خدا تعالیٰ صرف غصّہ ہی دے دیتا۔ وہ صبح شام، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے لڑتی رہیں۔ دوسروں پہ غصہ ہی چڑھا رہتا ان کو۔ اور کسی کو نرمی ہی دے دیتا۔ اور بچوں کی تربیّت ہی خراب ہو جاتی۔ ہر بات پہ نرمی۔ کوئی شرارت کرے کوئی نامناسب حرکت ہوئی بچّے سے اس کے ساتھ بھی نرمی کا سلوک، اس سے اس کی اصلاح نہ ہوتی۔ ایک طوفان بدتمیزی کا دُنیا میں پیدا ہو جاتا۔ عَدَلَكَ میں کہا جو تیری صلاحیتیں ہیں ان کے اندر بھی ایک توازن پیدا کیا گیا ہے غصّے کا نرمی سے۔ انتقام اور عفو میں ایک توازن، شہوت کا عفّت کے ساتھ ایک توازن۔

چھٹی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان کو معتدل القویٰ بنایا ایسی قوّت پیدا کی اس کے اندر کہ وہ اعتدال کی راہوں کو اختیار کر کے ترقی کی رفعتوں کو حاصل کر سکے۔ جس طرح زمین آسمانی پانی کی محتاج ہے اسی طرح انسان عالمِ روحانی کی ترقیات کے لئے

آسمانی وحی کا محتاج ہے

کہ اس کے اندر طاقت رکھی گئی تھی کہ اعتدال کی راہ اختیار کرکے وہ رفعتوں کو حاصل کرسکے جس طرح زمین ہے اس کے اندر طاقت ہے کہ وہ گندم کی نشوونما کرسکے. آج کل گندم بیجنے کا وقت ہے اس لئے یہی مثال دیتا ہوں. گندم کی نشوونما کے لئے بارش کے پانی کی زیادہ ضرورت ہے کنوئیں اور نہروں کے پانی سے بھی۔ یہ ہمارا تجربہ ہے۔ ہم زمیندار جو ہیں تو جس طرح زمین کو آسمانی پانی کی احتیاج ہے۔ خشک ہوجاتے ہیں کنوئیں بھی اور نہریں بھی اور دریا بھی اگر آسمانی پانی نہ ہو۔ جس طرح زمین آسمانی پانی کی محتاج ہے اسی طرح انسان عالم روحانی کی ترقیات کے لئے آسمانی پانی یعنی خدا تعالیٰ کی وحی اور اس سے ہم کلام ہونے کا محتاج ہے. کوئی انسان جو آسمان سے اس پانی کے حصول کے بعد روحانی زندگی کو حاصل نہیں کرتا اور روحانی طور پر ایک صحت مند وجود نہیں بنتا وہ آسمانی رفعتوں کو حاصل نہیں کرسکتا. خدا تعالیٰ نے یہاں یہ اعلان کیا ہے عَدَّ لَكَ میں۔

ایک اور بات

یہاں یہ بیان کی گئی کہ انسان کا معتدل القویٰ ہونا اور آسمانی وحی کا محتاج ہونا اس بات کی ضرورت بھی پیدا کرتا ہے کہ کوئی آسمانی رہنما بھی ہو کیونکہ سارے آدمی آسمانی پانی کو اس کے راجباہ کو اس کی نہر کے نارے کو موڑ کے اپنی زمینوں کے پاس نہیں لا سکتے۔ اس کے لئے اب حکومتیں بھی بڑا انتظام کرتی ہیں. جس طرح اس دنیا میں دریاؤں میں سے پانی نکالنا اور نہریں چلانی اور نہروں میں سے چھوٹے نالے نکالنا اور انہیں کھیتوں تک پہنچانا یہ ضروری ہے۔ باوجود اس کے کہ دریا میں پانی ہے پھر بھی ہر زمین کو سیراب نہیں کیا جا سکتا جب تک سیرابی کا انتظام انسانی ہاتھ نہ کرے۔ اسی طرح روحانی کھیت کو سیراب نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کو سیراب کرنے کے لئے آسمانی ہاتھ آسمانی وحی کے ذریعے کسی راہنما کو کھڑا کرکے انتظام نہ کرے۔ انسان کو ہمیشہ ضرورت رہی، ہمیشہ ضرورت رہے گی کہ کامل نفوس ان کی راہنمائی کے لئے پیدا ہوتے رہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روحانی فیضان کے نتیجہ میں اُمّت محمدیہ میں

ایسے کامل نفوس

لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں پیدا ہوتے رہے. کسی کے ذمے تھا ایک گاؤں کی روحانی تربیت کرنا. کسی کے ذمے تھا ایک چھوٹے سے علاقہ کی روحانی تربیّت کرنا کسی کے ذمے تھا ایک بڑے علاقہ کی تربیت کرنا کسی کے ذمے تھا اس سے بھی بڑے علاقہ کی تربیت کرنا۔ خدا تعالیٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت کو ان رُوحانی راہنماؤں سے محروم نہیں رکھا۔ اور وَعدہ کے مطابق اللہ تعالےٰ نے اس زمانہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشگوئی کے عین مطابق اس مہدی

کو ہمارے ایمان کے مطابق پیدا کر دیا۔ اور ساری دنیا میں

اسلام کو غالب کرنے کے سامان

پیدا کر دیئے۔ لیکن یہ غلبہ مادّی طاقت سے نہیں ہوگا۔ یہ لاٹھی سے نہیں ہوگا۔ لاٹھی تو ویسے ہی ٹوٹ گئی اور نکمّی ہو گئی۔ یہ رائفل سے بھی نہیں ہوگا۔ یہ توپ سے بھی نہیں ہوگا۔ یہ ایٹم بم سے بھی نہیں ہوگا۔ سب سے بڑی طاقت ایٹم بم کی ہے لیکن دنیا گواہ ہے اور میں نے اُن سمجھایا بھی جب میں سفر کرتا ہوں یورپ میں کہ دیکھو ساری دنیا کے ایٹم بم مل کر ایک انسانی دل میں روحانی انقلاب پیدا نہیں کر سکتے۔ لیکن محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان کو دیکھو آپؐ ایک زندہ نبی ہیں کہ جس دن سے مبعوث ہوئے نسلاً بعد نسلٍ۔ نسلاً بعد نسلٍ انسانوں میں سے لاکھوں کروڑوں کے دلوں کے اندر انقلاب بپا کر کے ان کو اپنے قدموں میں بٹھا لیا ان کو اللہ تعالےٰ کے جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ آپ کے ماننے والوں میں وہ پیدا ہوتے رہے۔ سب CREDIT (کریڈٹ) جو حمد ہے تعریف کے مالک اس ساری چیز کے وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں اور تم تو کچھ نہیں ہیں لا شئ محض ہیں۔ لیکن آج

خدا تعالےٰ نے یہ فیصلہ کیا

کہ اسلام کے لئے نوع انسانی کے دل محبت پیار اور بے لوث خدمت سے جیتے جائیں گے۔ مہدی آگیا۔ اور اس کے پاس علوم کے خزانے تھے۔ ایک سمندر تھا نہ ختم ہونے والا۔ میں گواہ ہوں۔ ہر قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ جو کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھیں۔ اُن کے معانی کبھی ختم نہیں ہوتے۔ سو دفعہ پڑھا دو سو دفعہ پڑھا۔ ہر دفعہ پڑھا ہر دفعہ نیا علم حاصل کیا۔ ہر دفعہ نئی ضرورت سامنے آئی اس کا قرآن کریم کی تفسیر تفصیل میں یا اپنے بیج کے طور پر اس کے اندر موجود پائی۔ ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو ایک عزم کئے ہوئے ہے۔ عزم کئے ہوئے ہے اس بات کا کہ ہم نے اپنے نفسوں کی قربانی دے کر خدا تعالےٰ کے پیار کو حاصل کرنا ہے۔ (ہم سے میری مراد جیسا کہ میں بتا چکا ہوں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی) اور خدا کا پیار حاصل کرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی مخلوق جو اس لئے پیدا کی گئی تھی کہ وہ خدا کے بندے بنیں۔ ان کو پیار کے ساتھ محبت کے ساتھ عقلی دلائل کے ساتھ، آسمانی نشانوں کے ساتھ ان کی خدمت کر کے خدا تعالےٰ کیلئے اور خدا کے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کے لئے جیتنا ہے۔

بڑی ذمّہ داری ہے

سوچا کریں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اس کے نباہنے کی توفیق دے۔ اور مجھے بھی اور مردوں کو بھی اور ساری عورتوں کو بھی جو یہاں ہیں انکو، جو یہاں نہیں ہیں اُن کو بھی۔ اور اللہ تعالےٰ وہ دن جلد لائے جب اسلام کا جھنڈا دنیا کے کونے کونے میں لہرانے لگے اور خدا تعالےٰ کے خلاف جو بُت بنائے گئے ہیں وہ مٹی کے ہیں گارے کے ہیں پتھروں کے ہیں چاندی سونے کے ہیں یا ہیرے جواہرات کے بھی ہیں۔ یا دلوں کے اندر انانیت کے ہیں یا اور اس قسم کے سینوں کے اندر بھی بُت بنا لیتا ہے انسان۔ وہ سارے بُت جو ہیں وہ غائب ہو جائیں انسانی معاشرہ سے۔ اور

ایک ہی ذات کی حکمرانی ہو

اور وہ اللہ ہو اور خدا کا پیغام ہر دل تک پہنچانے والا ہمارا رہبر، ہمارا راہنما، ہمارا قائد، ہمارا محبوب، محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہو۔ خدا کرے کہ ہم اس کی توفیق پائیں"۔

(اس کے بعد حضور نے اجتماعی دعا فرمائی)

یاد

(محترم الحاج چوہدری شبیر احمد صاحب۔ ربوہ)

ایک بلبل کو شاخ پر دیکھا
یاد آیا گلاب سا چہرہ

جس سے مہکے دل و دماغ اپنے
جس سے رنگِ چمن ہوا اجلی

جس کا عجز و نیاز مسلک تھا
مسکرانا رہا سدا شیوہ

پھول اُس کے لبوں سے جھڑتے تھے
جب بھی محفل میں وہ ہوا گویا

اُس کی گفتار شہدِ شیریں تھی
اُس کی رفتار مثلِ بادِ صبا

دیدہ و دل کر گیا روشن
عارفانہ کلام تھا اُس کا

بہرِ شبیرؔ آج ہر منظر
یادِ گلفام کرتا ہے تازہ

داغِ فرقت

(محترم الحاج شیخ نصیر الدین احمد۔ ربوہ)

آہ مرزا ناصر احمد ناصرِ دینِ خدا
فاتحِ دیں ہوگیا ہے دارِ فانی سے جدا

پہلی قدرت کی صداقت کا نشاں وہ نافلہ
دوسری قدرت کا مظہر، ہوگیا جو تیسرا

اپنی ہستی کو مِلا کر خاک میں بہرِ بقا
داغِ فرقت دے گیا ہم کو ہمارا مہ لقا

ہو کے باطل کے مقابل تُو نے اے شیرِ خدا
مُصلحِ موعود کے نقشِ قدم کو پا لیا

تشنہ رُوحوں کو پِلا کر شربتِ وصل و بقا
کیوں ہوئے نظروں سے غائب اے ہمارے ساقیا

دیکھ کر جَور و جفا اُس کا تھا یہ درسِ وفا
دُکھ اُٹھا۔ سُن گالیاں۔ پر مُسکرا کر دے دُعا

سُن پیام اس کا نصیؔر سُن کے اَوروں کو بتا
پیار ہو سب کے لئے۔ نفرت نہیں شیوہ تیرا

وہ محبّت کا اِک زندہ شہکار تھا

(محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ ۔ فضل عمر ہسپتال ربوہ)

تیری رحلت کی جب ہم نے پائی خبر
برق کوندی کہ بس الاماں الحذر

جب یہ بجلی گری رو دیا ہر بشر
دل تھا چھلنی کہ دھندلا گئی تھی نظر؟؟

اپنے دامن میں سورج لپیٹے ہوئے
چلدیا کون خوشیاں سمیٹے ہوئے

کتنی تاریک چپ چاپ سی رات ہے
گھُپ اندھیرا ہے اور غم کی سوغات ہے

آج گھر کے اُجالے کدھر کھو گئے ؟
عزم کے دیپ خاموش سے ہو گئے

جانے والا ہمیں کیسا غم دے گیا !
دل کو بخشی تپش چشم نم دے گیا

یاد تھا ہر سبق اس کو احسان کا
ناصرِ دیں تھا حافظ تھا قرآن کا

اُس کے اوصاف و جوہر کروں کیا بیاں
مجھ سے بڑھ کر ہیں ہر دوسرے پر عیاں

وہ محبت کا اک زندہ شہکار تھا
بندۂ حق تھا دیں اُس کو درکار تھا

پالیا جس نے کچھ اس کے ادراک سے
کچھ رہی نہ طلب اُس کو املاک سے

آزمائش کی ہر اک کڑی دھوپ میں
مثلِ کوہِ گراں تھا وہ ہر روپ میں

مسکراتے ہوئے سب نے دیکھا اُسے
کتنا رویا ؟ کہاں ؟ ؟ کس نے دیکھا اُسے ؟؟؟

کارہائے نمایاں کہاں تک گنوں
مَیں کسے چھوڑ دوں ؟ اور کس کو چنوں ؟؟

یہ ہے "صد سالہ جوبلی" یہ "نصرت جہاں"
سب ہمیں سونپ کر آپ پہنچا کہاں ؟

وہ کہ قدرت کا انمول تحفہ تھا اِک
جس گھڑی چھن گیا کیسا لمحہ تھا اِک

دوستوں سے وہ جانے کہاں کھو گیا
جیت کر دشمنوں کے وہ دل سو گیا

اس کے جانے سے دل ٹوٹے پھوٹے بہت
ضبط ٹوٹے بہت صبر چھوٹے بہت

رونقیں محفلوں کی کہاں کھو گئیں؟
کل تھیں خوشیاں یہاں آج کیا ہو گئیں؟

نکھرے نکھرے اُجالے کہاں چھپ گئے؟
بکھرے کانٹے میرے پاؤں میں چُبھ گئے!!

سارا عالم ہی جیسے کہ رونے لگا
اِک اندھیرا سا کیوں دلمیں ہونے لگا

کس کو کاندھے پہ رکھّے یہ جمِ غفیر؟
ہے کدھر سے چلا تھا کہاں کا سفیر؟!

اس سے آگے حقیقت نہ دیکھی گئی
ہاتھ دل پر رکھے اپنے گھر آ گئی

پختہ رکھنا تھا لازم بس ایمان کا
ورنہ اندازہ تھا مجھ کو نقصان کا

چاند نکلا تو کچھ ڈوبا ڈوبا سا تھا
ہر نظارہ جو تھا روٹھا روٹھا سا تھا

جس قدر لوگ تھے کتنے خاموش تھے
جاگتے میں تھے سوئے؟ کہ مدہوش تھے؟؟

پھر دُعاؤں سے لرزاں یہ عرشِ بریں
تب اچانک نظر آ گیا اِک نگیں
نُور کے قافلے تب اُترنے لگے
چہرے دُھلتے گئے دل نکھرنے لگے
ڈوبتی ناؤ کھوجی

ڈوبتی ناؤ کھوجی تھی پتوار کی
آنے والے نے ہر راہ ہموار کی

دل سکینت سے معمور تب ہو گئے
اک اندھیرا نہ تھا دُور سب ہو گئے

ٹھنڈی خوشبو بھری اک حسیں رات ہے
چاند دُولہا ہے تاروں بھری رات ہے

جانے والے نہ بھولیں گے ہم تیری یاد
آنے والے تُو صدیوں جیئے بامراد

حضرت مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ

نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ

رقم فرمودہ مخدومہ محترمہ حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ مدظلہا العالی

مرا ناصر میرا فرزندِ اکبر
ملا ہے جس کو حق سے تاج و افسر
(حضرت مصلح موعود)

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم کے پہلے پوتے۔ حضرت مصلح موعود کے سب سے بڑے بیٹے۔ قدرت ثانیہ کے تیسرے مظہر حضرت مرزا ناصر احمد ۱۵ر نومبر ۱۹۰۹ء کو پیدا ہوئے اور ۹ر جون ۱۹۸۲ء کو اس دارِ فانی کو چھوڑ کر اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

وہ وقت جس کے تصوّر سے اَب بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اتنا اچانک آیا کہ عقل و شعور نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ ایک زلزلہ تھا جس نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ بس ایک ہی سوال تھا چہروں پر کہ یہ کیا ہو گیا ؟ لیکن اپنے آقا کے دیئے ہوئے سبق اور تربیّت کی وجہ سے بڑا چھوٹا، مرد عورت۔ سب اپنے رب کی رضا پر راضی اور اس کی تقدیر پر شاکر اور اس کی عنایتوں کے امیدوار تھے چنانچہ اس انتہائی صدمہ کے بعد خلافت رابعہ کے انتخاب سے اِن دلوں کو جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے وصال سے پریشان تھے غمگین تھے

> احسان و مروّت کا سراپا۔ عاجزی و انکساری کا مجسمہ۔ سادگی کا پیکر۔ محبّت کا ایک رواں چشمہ۔ طبیعت میں مزاح۔ نرمی۔ حلیمی اور خودداری۔ حوادث کے مقابلہ میں کوہِ وقار۔ خود مسکرا کر دنیا کو مسکرانا سکھایا انتہائی صابر و شاکر وجود۔

اللہ تعالیٰ نے سکون عطا فرمایا۔ اچھی یادیں کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں۔ پھر ایسے پیارے وجود کا بھولنا آسان کام نہیں۔ ابھی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا غم بھی نہیں بھولا تھا۔ اُن کے لطف و احسان کی یاد تازہ تھی کہ جماعت پر اور اپنے خاندان پر ایک غم کا پہاڑ آپڑا۔ میرے مولا! اگر تیرا سہارا نہ ہوتا۔ تو پتہ نہیں کیا ہوجاتا۔ کتنا پیارا ہے میرا ربّ۔ جس نے حضرت مسیح الزمان کو دُنیا کی اصلاح اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی لائی ہوئی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے کے لئے بھیجا اور اس مقصدِ عظیم کو مستقل طور پر جاری رکھنے کے لئے جماعت میں خلافت کا سلسلہ قائم کیا۔ اور ہر خلیفہ کی وفات پر دوسری خلافت کے ذریعہ خوف کو امن سے بدلا۔ اور اسی پیارے سلوک کا مظاہرہ اس بار بھی ہُوا۔ "ناصر" جیسا پیارا وجود اگر اس کی عمیق در عمیق حکمتوں کے باعث اس نے اپنے پاس بُلا لیا تو ایک اور پیارا وجود "طاہر" کی شکل میں جماعت کو عطا کر دیا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

نویدِ احمد و تنویرِ محمود
یہ موعود ابن موعود ابن موعود
(نواب مبارکہ بیگم صاحبہ)

احسان و مروت کا سراپا۔ عاجزی و انکساری کا مجسمہ۔
سادگی کا پیکر۔ محبت کا ایک رواں چشمہ۔ طبیعت میں مزاح۔
نرمی۔ حلیمی اور خودداری۔ حوادث کے مقابلہ میں کوہِ وقار۔
خود مسکرا کر دنیا کو مسکرانا سکھایا۔ انتہائی صابر و شاکر
وجود۔

یہ تھے مرزا ناصر احمد جو حضرت اقدس کی پیشگوئیوں
"تری نسلاً بعیدًا" بھی دکھادی"۔ اور "نافلۃ
لک" کے مطابق ایک موعود وجود تھے۔

میرا بچپن حضرت ابا جان (ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب)
کی ملازمت کی وجہ سے قادیان سے باہر ہی گذرا لیکن چھٹی
لے کر کبھی جلسہ سالانہ پر کبھی اور دنوں میں سال میں ایک
مرتبہ ابا جان ضرور قادیان آیا کرتے تھے۔ اور حضرت اماں
جان کے پاس قیام ہوتا تھا۔ ایک دفعہ لمبے عرصہ کے لئے
قادیان میں اس مکان میں رہے جس میں بعد میں حضرت
سیّدہ امّ طاہر احمد رہا کرتی تھیں۔ اس وقت پہلی بار
حضرت مرزا ناصر احمد کو حضرت امّاں جان کے گھر دیکھا اور
یہی سمجھا کہ حضرت امّاں جان کے بیٹے ہیں۔ ذرا بڑی ہوئی
تو معلوم ہؤا کہ بیٹے نہیں پوتے ہیں لیکن اماں جان کی
آغوشِ محبت میں پلے ہیں۔ اور آپ کے پاس ہی رہتے ہیں۔
پھر کئی سال گذر گئے اور ہم ۱۹۳۴ء میں حضرت مرزا
ناصر احمد کی شادی پر قادیان آئے۔ عمر میں مجھ سے بڑے
تھے مگر جب کبھی ملنا ہوتا تو ہمیشہ پھوپھی کہہ کر ہم سب
بہنوں سے مخاطب ہوتے۔ ۱۹۳۴ء میں شادی کے ایک
ماہ بعد آپ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے اور ۱۹۳۵ء
میں میری شادی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھتیجہ
سے میرا بیٹا بنادیا۔ ۱۹۳۶ء میں عارضی طور پر انگلستان
سے واپس آئے۔ ان دنوں حضرت مصلح موعود دھرم سالہ
مقیم تھے۔ حضور نے آپ کو اور منصورہ بیگم صاحبہ کو اپنے پاس
بلالیا اور قریباً ڈیڑھ دو ماہ آپ ہمارے ساتھ رہے۔

شادی کے بعد سے مجھے آپا صدیقہ کہہ کر بلاتے تھے
چونکہ حضرت سیّدہ امّ طاہر احمد کا نام مریم بیگم تھا اس
لئے حضرت مصلح موعود مجھے نام کے پچھلے حصّہ یعنی صدیقہ
کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ حضرت مصلح موعود کے سب بچے
مجھے چھوٹی آپا کہتے ہیں سوائے حضرت مرزا ناصر احمد کے
آپ نے ہمیشہ آپا صدیقہ کہہ کر مخاطب کیا۔ ان کے بعد
اَب اس نام سے پکارنے والا کوئی نہیں رہا۔

ہمیشہ ہی بہت ادب احترام اور محبت کا سلوک
رکھا اور خلیفہ ہونے کے بعد تو انہوں نے اتنے احسان
کئے کہ میں گن نہیں سکتی۔

میں بھی شادی کے بعد حضرت امّاں جان کے ساتھ
رہی۔ حضرت مرزا ناصر احمد گو قادیان میں اپنی کوٹھی
"النصرت" میں رہتے تھے۔ لیکن قریباً روزانہ ہی اماں جان
کے ہاں آیا کرتے تھے۔ جمعہ والے دن تو صبح سے ہی
آجاتے تھے۔ اور ہم سب مل کر کھانا کھاتے۔ امّاں جان
خاص طور پر کہتیں آج میاں ناصر اور منصورہ سارا دن
کے لئے آرہے ہیں۔ فلاں کھانا تیار کرلو۔ فلاں چیز
ناصر احمد کو بہت پسند ہے۔ مجھے یاد ہے زردہ خوب پستے
بادام ڈال کر پکوایا کرتی تھیں کہ آپ کو بہت پسند تھا
بعد میں جب آپ کو ذیابیطس کا مرض لاحق ہؤا تو میٹھا
کھانا آپ نے چھوڑ دیا۔

حضرت مصلح موعود کو حضرت مرزا ناصر احمد سے بہت گہری محبت تھی۔ عموماً جیسا کہ دستور ہے بڑے بیٹے سے ذرا تکلف ہوتا ہے۔ میں نے کبھی بہت بے تکلفی سے دونوں کو باتیں کرتے نہیں دیکھا لیکن جب جماعتی کام ہوتے تھے اس وقت سب سے پہلے ان کو ہی بلا کر کاموں کی ہدایت دیتے۔ کام سپرد کرتے۔ پورا اعتماد تھا ان پر۔ لیکن آخری بیماری میں اس محبت کا جو حضرت مصلح موعود کو اپنے سب سے بڑے بیٹے سے تھی کھل کر اظہار ہوا۔

حضرت مصلح موعود کو حضرت خلیفہ اوّل سے بہت محبت تھی اور خلافت کا بے انتہا احترام۔ اور یہی سبق آپ نے اپنی اولاد کو دیا۔ حضرت مرزا ناصر احمد کو ایک خط میں یہ واقعہ لکھا اور میں نے خود آپ سے سنا بھی ہوا تھا۔ فرمایا کہ جب مرزا ناصر احمد چھوٹے سے تھے شاید سال ڈیڑھ سال کی عمر تھی تو بہت سخت بیمار ہو گئے اُدھر حضرت خلیفہ اوّل بیمار ہو گئے۔ تو آپ اپنے بچہ کو چھوڑ کر حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ بچہ کی حالت نازک ہو گئی گھر سے آدمی بلانے آیا۔ آپ نہیں گئے۔ حضرت خلیفہ اوّل کے علم میں آیا تو آپ نے کہا جاؤ بچہ کے پاس علاج وغیرہ بھی بتایا۔ آپ نے فرمایا میں آپ کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا۔ میاں وہ صرف تمہارا بیٹا ہی نہیں حضرت مسیح موعود کا پوتا بھی ہے۔ اس پر آپ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کر دیا اور مرزا ناصر احمد شفایاب ہو گئے۔ اس واقعہ سے جہاں حضرت مصلح موعود کی خلافت سے محبت کا اظہار ہوتا ہے کہ خلافت پر بیٹے کی محبت اور زندگی قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ وہاں حضرت خلیفہ اوّل کی حضرت مسیح موعود کی اولاد سے شدید محبت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ آج ان وجودوں میں سے ایک بھی نہیں۔ لیکن یہ عظمت کے مینار نہ مٹنے والی یادیں اور قربانی کی عظیم راہیں ہمارے لئے استوار کر گئے ہیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ خیرکم خیرکم لاھلہ تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل سے اچھا ہو۔ بڑے بڑے عالم اور لیڈر دنیا کے سامنے اخلاق کے متعلق تقریریں کرتے ہیں۔ لیکن گھروں میں بیویوں پر سختی اور ظلم کرتے دیکھے گئے ہیں۔

آپ نمونہ تھے اپنے اہل کے ساتھ بہترین سلوک کا۔ سیدہ منصورہ بیگم کے ساتھ آپ کی جو زندگی گزری وہ خود آپ کے قول کے مطابق دو وجودوں کی ایک زندگی تھا۔ بے حد محبت اور خیال رکھنے والے شوہر بے انتہا شفیق باپ تھے۔ گھریلو زندگی میں بیوی بچوں کی چھوٹی چھوٹی بات کا خیال رکھنا۔ سب عزیزوں سے درجہ بدرجہ تعلق رکھنا۔ اور ان کے حقوق ادا کر کے آپ نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا وہی ہوتا ہے جو ایک طرف اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرے اور دوسری طرف حقوق العباد بھی۔ سیدہ منصورہ بیگم کی وفات پر غانا کی ایک عورت نے مجھے تعزیتی کا خط لکھا۔ اس میں اس نے اس بات کا اظہار کیا کہ ہم نے اس بات کو خاص طور پر نوٹ کیا کہ جب بھی سیدہ منصورہ بیگم حضور کے ہمراہ تشریف لے جاتیں۔ حضور اس وقت تک نہیں بیٹھتے تھے جب تک یہ تسلی نہیں ہو جاتی تھی کہ منصورہ بیگم بیٹھ گئیں ہیں۔ اور اپنے نمونہ سے

عورت کی عزت اور احترام قائم کرتے کا وہ سبق دیا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے دیا تھا۔

سیدہ منصورہ بیگم کی وفات پر جس عظیم صبر کا آپ نے نمونہ دکھایا۔ وہ بھی اپنی مثال آپ تھا سینتالیس۴۷ سالہ رفیقہ حیات جدا ہوگئی ہے۔ بچے تڑپ رہے ہیں۔ آپ کہتے ہیں صبر کرو۔ الحمد للہ پڑھو۔ انا للہ پڑھو۔ رونا نہیں۔ جماعت کے لوگ آتے ہیں۔ ان کو بھی یہی تلقین۔ منصورہ بیگم کی وفات کے اگلے دن جمعہ تھا۔ اکثر کا خیال تھا کہ غم سے اتنے نڈھال ہیں اور کئی رات سے تیمارداری اور پریشانی کی وجہ سے سوئے نہیں۔ اس لئے شائد جمعہ پڑھانے نہ جاسکیں۔ لیکن جماعت کی تسلّی کے لئے آپ گئے خطبہ دیا۔ نماز پڑھائی۔ ساری جماعت کو صبر کی تلقین کی۔ اب تو میں محسوس کرتی ہوں کہ چونکہ چھ ماہ کے بعد ان کی اپنی وفات مقدّر تھی۔ اللہ تعالےٰ جماعت کو اُن کے مُنہ سے صبر کی تلقین کرواکے آنے والے حادثہ کے لئے تیار کر رہا تھا۔

جب سیّدہ منصورہ بیگم کی وفات کے بعد آپ نے دوسری شادی طاہرہ صدیقہ سلمہا سے کی تو پُوری محبت اور وفاداری سے ان کے حقوق ادا کئے۔ اللہ تعالےٰ کی تقدیر دو ماہ بعد ہی وارد ہوگئی۔ لیکن دو ماہ کا عرصہ جو طاہرہ صدیقہ کے ساتھ گزرا محبّت پیار اور خیال رکھنے کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہنے دیا۔

حضرت امّاں جان سے بے حد پیار تھا۔ اور میرے ابّا جان اور چچا جان سے بھی جن کو حضرت مصلح موعود کی وجہ سے ان کے سب بچے بھی بڑے ماموں جان اور چھوٹے ماموں جان کہتے تھے۔

مئی ۱۹۸۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے میرے نواسے سیّد شعیب احمد کا نکاح پڑھایا جو حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کا پوتا ہے وہ آخری نکاح تھا جو اپنی خلافت میں آپ نے پڑھایا خطبہ دیتے ہوئے حضرت اماں جان اور حضرت چچا جان کے ذکر پر بار بار آب دیدہ ہوتے تھے اور رقّت طاری ہو جاتی تھی نکاح کے بعد آپ قصرِ خلافت میں تشریف لائے۔ شام کو متین اور محمود ملنے گئے تو فرمانے لگے کہ متین! امّاں جان اور ماموں جان کی یاد سے میری عجیب کیفیّت ہوگئی۔ یادیں آتی چلی گئیں اور اتنی رقت طاری ہوئی کہ خطبہ میں تمہارا ذکر بھی نہ کرسکا۔

خلیفہ خدا بناتا ہے اور اللہ تعالےٰ انتخاب کے وقت مومنین کے دلوں کو اس طرف پھیر دیتا ہے۔ ہر خلافت کے وقت ایسا ہی ہوا۔ حضرت مصلح موعود کی بیماری کے آخری ایّام تھے۔ آخری بیماری میں جب آپ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ جمعہ کے دن مؤذن پوچھنے آتا کہ جمعہ کون پڑھائے عموماً آپ فرماتے "شمس صاحب" یعنی مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ۔ کبھی شمس صاحب مرحوم ربوہ سے باہر گئے ہوتے تو فرماتے مولانا ابو العطاء صاحب یا قاضی محمد نذیر صاحب جمعہ پڑھادیں۔ وفات سے دو تین دن پہلے جمعہ تھا۔ مؤذن پوچھنے آیا تو آپ نے فرمایا "ناصر احمد"۔ مجھے اس وقت تعجب ہوا کہ اس سے پہلے مجھے یاد نہیں کبھی کہا ہو۔ دوبارہ پوچھا تو پھر یہی کہا کہ "ناصر احمد"۔ دفتر کا آدمی اطلاع دینے گیا

تو حضرت مرزا ناصر احمد جمعہ پر جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ خیال بھی نہ تھا کہ جمعہ پڑھانا پڑے گا حکم کی تعمیل کی۔ یہ بھی یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اشارہ تھا کہ آئندہ خلافت کی ذمہ داریاں ان پر پڑنے والی ہیں۔

بیرونی ممالک کے سات دَورے کئے۔ دَورہ کی جو رپورٹیں ان ملکوں کے اخباروں میں چھپتیں ضرور ایک دو اخباروں کے تراشے اپنے خط کے ساتھ بھیجتے۔ دَورہ میں شدید مصروفیت کی وجہ سے مجھے توقع بھی نہ ہوتی تھی کہ خط لکھنے کے لئے وقت نکال سکیں گے۔ لیکن ہر سفر میں چند خطوط ضرور مجھے ملتے تھے۔ جو خوشی اور مسرت کا باعث بنتے تھے۔ فرخ کے نام بھی ضرور ایک آدھ کارڈ آجاتا تھا۔

اپنے بھائیوں اور بہنوں کی اولاد سے بہت محبت کی۔ ہر ایک سمجھتا ہے کہ ہم سے ہی سب سے زیادہ پیار تھا۔ اسی طرح چچازاد اور پھوپھی زاد بہن بھائیوں سے بھی۔ حضرت سیدہ ام مظفر احمد کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو بہت ہی شفقت دی۔

بہت مہمان نواز تھے۔ جب کالج کے پرنسپل تھے اور خدام الاحمدیہ کے صدر۔ مجھے یاد ہے ان کے گھر خدام کی میٹنگیں ہوتی۔ وقت بے وقت چائے۔ کھانے کا خیال رکھنا۔ گرمیوں میں ڈلہوزی یا کسی اور پہاڑی مقام پر جانا تو چند خدام کو اس غرض سے ضرور ساتھ رکھا کرتے تھے کہ یہ لوگ جو پہاڑ پر نہیں آسکتے سیر و تفریح کر لیں۔ سب خرچ ان کا اٹھاتے تھے۔

آپ نہایت بلند اخلاق تھے۔ مگر ایک خوبی کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتی وہ تھی آپ کی خود داری۔

حضرت مصلح موعود تربیت کے نقطۂ نظر سے اپنے سب ہی بچوں کو اتنا ہی خرچ دیا کرتے تھے کہ بس تنگی سے گذارہ ہوتا تھا۔ آپ پر بھی کئی دفعہ تنگی آئی لیکن کبھی آپ نے اپنے ابا جان سے نہیں مانگا۔ دوسرے کئی بچے اپنی ضرورت کا اظہار کر دیتے تھے۔ خود حضرت مصلح موعود کو علم ہوتا تو آپ نے ضرورت کے مطابق کچھ بھجوا دینا۔ خلیفہ ہونے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت دیا۔ مگر اس کا اکثر حصّہ غرباء پر خرچ کر دیتے تھے۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ غریبوں اور حاجت مندوں کی مدد کے لئے آپ کا دل بہت کھُلا تھا۔

اس مختصر مضمون میں آپ کے کس کس وصف کا ذکر کروں۔ صبر اور شکر آپ کے اخلاق کی جان تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بہت بلند فرمائے۔ سترہ سالہ خلافت میں آپ نے محبت سے سب کے دل جیتے اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ آپ کے دل میں محبّت سب کے لئے تھی نفرت کسی کے لئے نہیں۔

ہمارا فرض ہے کہ آپ کی بلندئ درجات کے لئے دعائیں کرتے رہیں۔ آپ کی تحریکات کو عمل کے ذریعہ سے زندہ رکھیں۔

اے جانے والے! آپ پر سلام۔ آپ کی نیکیاں خوبیاں اور کارنامے رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے اور سب سے بڑھ کر سپین میں ساڑھے سات سو سال کے بعد مسجد کی بنیاد رکھنا ــــ خُدا کرے کہ اسلام جلد سے جلد سپین میں پھیلے اور جنت میں بھی آپ کو علیہ اسلام

کی خوشیاں پہنچتی رہیں جو آپ کا مقصدِ حیات تھا آمین اللّٰھم آمین ۔

مدیرہ مصباح کے تقاضا پر چند سطور لکھ دی ہیں. سالانہ اجتماع پر آپ کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ کیا تھا جو مصباح میں چھپ چکا ہے ۔ اس لئے ان واقعات کا دوبارہ ذکر نہیں کیا ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ لکھی ہی نہیں جا سکتی جب تک آپ کی غلبۂ اسلام کیلئے کوششوں پر آپ کو خراجِ تحسین نہ ادا کیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ اس جدّوجُہد کے تسلسل کو جاری رکھے تا وقتیکہ اسلام ساری دُنیا میں پھیل جائے ۔ آمین اللّٰھم آمین ۔

آپ نے فرمایا:-

"میری دُعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں اور مَیں ہمیشہ آپ کی دُعاؤں کا بھوکا ہوں ۔ مَیں نے آپ کی تسکینِ قلب کے لئے ، آپ کے بار ہلکا کرنے کے لئے ، آپ کی پریشانیوں کو دُور کرنے کے لئے اپنے ربّ رحیم سے قبولیتِ دُعا کا نشان مانگا ہے اور مجھے پورا یقین اور پورا بھروسہ ہے اس پاک ذات پر کہ وہ میری اس التجا کو ردّ نہیں کرے گا ۔"

(جلسہ سالانہ کی دعائیں ص ۲)

محترمہ امۃ الباری صاحبہ ایم اے بیگم ناصر احمد صاحب قریشی قیادت ۸ کراچی

مسکراتا حوصلہ دیتا وجود
زندگی سے پیار سکھلاتا وجود

امن اور اُلفت کا تھا پیغامبر
آفتابِ تازہ سے اُجلا وجود

مسجدِ اسپین جس کی ہے گواہ
لَا اِلٰہَ اِلّا کا شیدا وجود

احمدیت کا ستارا دے گیا
مُصلحِ موعود کا پالا وجود

طالبانِ علم کا تھا رہنما
مہربان و مشفق و اعلیٰ وجود

جنّت الفردوس حق سے ہو عطا
ناشرِ قرآن تھا تیرا وجود

ارضِ ربوہ میں بظاہر دفن ہے
اعلیٰ علیّین میں ہے اُس کا وجود

چادرِ رحمت میں جا کر سو گیا
سلسلے کا سائباں سایا وجود

سب گل اداس ہو گئے چپ ہر شجر ہوا

(مکرم ڈاکٹر عبدالرشید صاحب تبسم ایم اے، پی ایچ ڈی۔ لاہور)

طوفانِ تند و تیز کا رُخ پھر اِدھر ہوا
پھر باغ میں اِک آشیاں زیر و زبر ہوا

بُلبُل کے نغمے نالۂ غم سے بدل گئے
سب گل اداس ہو گئے، چُپ ہر شجر ہوا

حیراں ہیں سب کہ کل جو تھا شعلہ نوائے دہر
بولے گا اَب نہ حشر تک چُپ اِس قدر ہوا

آتے تھے مُلک مُلک سے مہمان جس کے گھر
مہمانِ یار بن کے وہ محوِ سفر ہوا

قریہ بہ قریہ جس نے بپا کیں قیامتیں
کِس خامشی سے راہیِ مُلکِ دِگر ہوا

اے نافلۂ احمد! اَے ناصر! امینِ دیں!
ہر دل ترے فراق میں ہے نوحہ گر ہوا

اُٹھ جائے گا تُو بزم کو تڑپا کے ایک دن
ناممکن اس کو سمجھے تھے، ممکن مگر ہوا

گِن پائے گا نہ تیری فتوحات کو جہاں
اک کفر و دیں کا معرکہ ہر روز سَر ہوا

کتنے نظام تُو نے بدل کر ہیں رکھ دیئے
اک شام انقلاب ہوا، اِک سحر ہوا

دلدل سے یہ نکالا گیا تیرے عہد میں
آگاہ اپنی آپ سے خود اِک گہر ہوا

ہوتی رہی وہیں پہ ملاقات یار سے
امّید گاہِ اہلِ وفا تیرا دَر ہوا

پہنچے کہاں کہاں تیرے دیوانگانِ عشق
مقتل میں شب تو دن سرِ زنداں بسر ہوا

"نفرت نہیں کسی سے محبت ہر ایک سے"
بے مثل و بے نظیر یہ تیرا ہُنر ہوا

ساغر کسی کو، رطل کسی کو، کسی کو خُم
ہر رند سے سلوک تیرا ظرف بھر ہوا

تجھ کو وصالِ یار مبارک، مگر یہاں
باوصفِ ضبط، ہجر میں ہر دیدہ تَر ہوا

چُپ لگ گئی حواس تبسّم کے گُم ہوئے
اس کے دل و دماغ پہ ایسا اثر ہوا

محترمہ صاحبزادی امۃ الشکور بیگم صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ بنت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نوراللہ مرقدہٗ

> آپ میرے رہبر تھے۔ میرے راہنما تھے۔ میرے آئیڈیل تھے۔ آپ کی روشنی میں چلنے کی میں عادی تھی۔ وہ روشنی ہی چھن گئی۔ لیکن خدا کی رضا پہ راضی ہوں۔ شکوہ کی کوئی جا نہیں۔ جس کی امانت تھی وہ لے گیا۔

"صحرائے حیات میں تنہا کھڑا ہوں میں"

امی کی وفات کے چند روز بعد یا شائد ایک دو ماہ بعد (کیونکہ اُس وقت بھی اور اب بھی ایسا ہی ہے کہ روز و شب کا حساب کچھ بھول سا گیا ہے) ایک روز صبح ابّا اُٹھے تو فرمایا کہ آج علی الصبح جب میری آنکھ کھلی تو یہ مصرعہ میری زبان پر تھا۔ ؎

"صحرائے حیات میں تنہا کھڑا ہوں میں"

پھر مجھے اپنی مخصوص پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا۔ اَب تو تم بھی شاعرہ ہوگئی ہو۔ اس مصرع کو لے کر پوری نظم لکھ ڈالو۔ آج وہی مصرع بار بار میری زبان پر آجاتا ہے۔ اور مَیں ابّا سے مخاطب ہو کر کہتی ہوں۔ ابّا یہ تو شائد میرے لئے ہی تھا۔ آپ تو اَب آرام سے اپنے پیارے ربّ کے پاس اپنے پیاروں کے پاس، امّی کے پاس رَہ رہے ہیں۔ اور اتنی بڑی وسیع دُنیا میں مجھے اکیلا چھوڑ گئے ہیں۔ آپ ہم میں نہیں لیکن آپ کی یادیں پل پَل ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ آپ کا وہ شفیق پیکر ہر وقت نگاہوں میں رہتا ہے۔ اور یقین نہیں آتا کہ وہ پیارا وجود اَب اس دُنیا میں نہیں ہے۔ اَب اسے صرف تصوّر کی نگاہ سے ہی دیکھ سکتی ہوں۔ ابھی تو امّی کی جدائی کا غم ہی مدھم نہ پڑا تھا۔ کہ آپ بھی پیچھے پیچھے ہمیں تنہا چھوڑ کر چل دیئے۔ آپ میرے رہبر تھے۔ میرے راہنما

تھے ۔میرے آئیڈیل تھے ۔ آپ کی روشنی میں چلنے کی میں عادی تھی۔ وہ روشنی ہی چھن گئی۔ لیکن خدا کی رضا پر راضی ہوں۔ شکوہ کی کوئی جا نہیں۔ جس کی امانت تھی وہ لے گیا۔ صرف اتنا کہوں گی ؎

یوں دیکھتے ہی دیکھتے الٹی ہے کائنات
ڈوبا ہے آفتاب بھی چند اکے ساتھ ساتھ

زندگی کا آخری دن

میری آپ کی آخری ملاقات ذہن میں نقش ہو کر رہ گئی ہے۔ اس دن سب ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ آج خدا کے فضل سے طبیعت بہت بہتر ہے ۔ ٹیسٹ بھی سب ٹھیک آئے ہیں۔ آپ اس دن بیٹھے بھی زیادہ۔ اس دن آپ نے بار بار میرا پوچھا۔ کاش ڈاکٹر آپ کے کمرے میں جانے سے منع نہ کرتے تو میں ایک پل بھی آپ کو نہ چھوڑتی۔ دن کو کافی دیر میں آپ کے پاس بیٹھی رہی۔ لیکن جب اٹھ کر باہر آئی تو آپ نے پھر مجھے بلوالیا۔ دوپہر کو مجھے الرجی ہو گئی تو میں ماہم (اپنی بیٹی) [illegible] کو آ گئی کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ دوپہر کو تم لوگوں میں سے ضرور کوئی بیٹھا کرے تاکہ آپا طاہرہ کچھ آرام کر لیا کریں۔ شام چار بجے ماہم آئی کہ ابا حضور پوچھ رہے ہیں کہ "آج تمہاری ماں کہاں ہے دیکھی نہیں۔" میں گئی۔ کچھ دیر دباتی رہی۔ ڈاکٹر آ گئے ۔ میں بھی نہانے چلی گئی۔ اس دوران آوازیں پڑیں کہ جلدی آؤ۔ ابا یاد کر رہے ہیں۔ میں گئی تو آپ کرسی پر بیٹھے تھے۔ اشارے سے مجھے اپنے قدموں میں بیٹھنے کو کہا۔ اور میری گود میں اپنا پاؤں رکھ دیا۔ میں پاؤں دباتی رہی۔

آپ کی طبیعت بہت ہشاش بشاش تھی۔ آپ مزاح فرماتے رہے۔ باتیں کرتے رہے۔ اس دن آپ کوئی احتیاط نہیں کر رہے تھے۔ اتنے دن آپ نے ڈاکٹروں کے کہنے سے بہت کم بات کی تھی۔ لیکن اس دن آپ نے بہت باتیں کیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو پتہ تھا کہ میرا وقت قریب ہے۔ آپ غیر معمولی طور پر ہشاش بشاش تھے۔ اور میں پاگل تھی جو یہ سمجھی کہ آپ کی طبیعت آج بالکل ٹھیک ہے۔

آپ کے چہرے پر مستقل ایک مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں وہی زندگی کی چمک۔ آپ کتنے بہادر تھے ابا۔ آپ کو موت کا کوئی خوف نہ تھا۔ اور مالکِ حقیقی کی رضا پر راضی تھے۔ میں کھانے پر گئی تو پھر آپ نے بلوایا۔ اتنا تو پہلے کبھی نہیں مجھے بلوایا تھا۔ آپ مجھے اپنے قریب رکھنا چاہتے تھے۔ آہ ابا اب وہ اتنا پیار کہاں سے لاؤں۔ وہ انمول بے بہا محبت اب کون مجھے دے سکتا ہے۔ کھانے پر آپ نے مجھے کہا دہی چکھ کر بتاؤ کیسی ہے! اگر میٹھی ہے تو کھاؤں گا۔ میں نے چکھی بتایا کہ میٹھی ہے تو مسکرا کر فرمایا "مجھے کھلانے کے مارے تو نہیں کہہ رہی۔ اگر میٹھی نہ ہوئی تو آئندہ تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔"

اگلے روز میں نے صبح ربوہ آنا تھا۔ کچھ ابا کی چیزیں لینے کچھ اپنی۔ رات کو میں اور نصرت آپا کے پاس بیٹھے تھے۔ آپا طاہرہ بھی ساتھ کے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ نصرت نے کہا میں صبح جا رہی ہوں۔ آپ کو سلام کر لوں۔ اس نے جھک کر آپ کو پیار کیا اور سلام کیا۔ ابا نے بھی

اسے پیار کیا۔ میرا کتنا دل تڑپا کہ میں بھی ابا کو پیار کر لوں۔ میں نے بتایا کہ صبح میں ربوہ جا رہی ہوں دو دن کے لئے۔ کہنے لگے "اچھا تم نے مجھے بتایا ہی نہیں"۔ میں نے کہا آپ نے ہی تو کہا تھا کہ جا کر میری کچھ چیزیں لے آؤ۔ اجازت میں نے آپ سے دو دن پہلے ہی لے لی تھی۔ اس پر فرمایا۔ "کون ساتھ جا رہا ہے۔ کس وقت جاؤ گی"۔ میں نے کہا "صبح چار بجے" تو مسکرا کر آپا طاہرہ سے کہنے لگے۔ لو یہ تین بجے تو سوتی ہے اور کہہ رہی ہے میں چار بجے جاؤں گی"۔ اور پھر سنجیدہ ہو کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے تمہیں اپنے سونے کے وقت سے دو گھنٹے پہلے ہی اٹھنا پڑے گا"۔ میں یہ جملہ سن کر چونکی کہ ابا یہ الٹا جملہ کیوں بول رہے ہیں۔ بجائے اس کے کہ کہیں اپنے وقت سے دو گھنٹے پہلے سونا پڑے گا۔ کہہ رہے ہیں اٹھنا پڑے گا۔ اس کا مطلب تو بعد میں کھلا۔ جب پونے ایک بجے وفات ہوئی۔ کوئی ساڑھے گیارہ بجے بھائی انس آئے وہ روزانہ بی۔بی۔سی (B.B.C) کی خبریں سنکر ابا کو آ کر سنایا کرتے تھے۔ خاص طور پر فاک لینڈ FAUKLAND اور لبنان کے بارے میں۔ اور ہمیشہ ابا کہتے صبح ملکی اخباروں کی خبریں بھی مجھے سنانا۔ لیکن اس دن فرمایا صبح تم لوگ پڑھ لینا ہمارے اخبار کیا کہتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں دبانے لگی۔ لیکن اپنا ہاتھ نکال کر میرا ہاتھ زور سے پکڑ لیا۔ میں سمجھی کہہ رہے ہیں زور سے دباؤ۔ میں نے زور سے دبانا شروع کیا۔ لیکن پھر ایسا ہی کیا میرا ہاتھ پکڑ کر زور سے دبایا۔ کوئی تین بار ایسا ہی ہوا۔ پھر فرمانے لگے اچھا جاؤ اب آرام کرو۔ صبح تم نے جانا بھی ہے۔ میں جھک کر آپ کو پیار کرنے لگی تو مجھے ہاتھ سے ہٹایا۔ چہرہ بہت سرخ اور جذباتی ہو رہا تھا۔ کہنے لگے "اچھا جانے سے پہلے مجھے جوس پلا جاؤ"۔ چند گھونٹ پیئے۔ پھر ایک آدھ بات کی پھر کہنے لگے اب دو گھونٹ پانی پلا دو۔ میں نے پلایا تو مجھے کہا اچھا اب جاؤ۔ اور مجھ پر جو رخصتی نظر ڈالی وہ میں تمام عمر نہ بھول سکوں گی۔ کتنی بولتی آنکھیں تھیں۔ کیا کیا جذبے تھے ان میں میں کہ میری آنکھیں دھندلا گئیں۔ کاش میں بتا سکتی کہ ان آنکھوں میں میرے لئے کیا کچھ تھا۔ ان جذبوں کو میں کچھ نام نہیں دے سکتی۔ بھولنا چاہوں بھی تو بھول نہیں سکتی۔

اس کے صرف پانچ دس منٹ بعد طبیعت یکایک خراب ہو گئی اور ابا ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ دماغ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ کچھ پتہ نہیں کیا ہوا کیسے ہوا۔ ابھی تو امی کا غم ہی تازہ تھا۔ اس پر یہ پہاڑ سا غم!

بیتے دنوں کی یادیں

بیتی باتیں بچپن سے لیکر اب تک کے ساتھ گزرے دن ایک متحرک فلم کی طرح ذہن کے پردوں پر گزرتے چلے جاتے ہیں۔ کیا کچھ ہے لکھنے کو بتانے کو۔ لیکن قلم بھی تو ساتھ دے۔ ابا کو مجھ سے ہمیشہ سے ہی بہت پیار تھا۔ بچپن میں ایک بار شاید میں نے کوئی شرارت کی۔ یہ دارالسلام قادیان کی بات ہے۔ امی کو پتہ چلا تو انہوں نے

مجھے آواز دے کر بلایا۔ میں ڈری کہ اب ڈانٹ پڑے گی۔ کان کھینچیں گی۔ میں خوف کے مارے قریب نہیں آ رہی تھی۔ اور امّی بلائے جا رہی تھیں۔ اتنے میں ابّا آ گئے۔ امی نے کہا اسے پکڑ کر لائیں۔ اور یہ سنتے ہی میں بھاگ کھڑی ہوئی۔ اب آگے آگے میں پیچھے پیچھے ابّا۔ آخر آپا ننّھی کے گھر جا کر مجھے پکڑ لیا۔ اور گود میں اٹھا کر لے چلے مجھے امّی کی طرف۔ میں نے چلانا شروع کر دیا۔ ہائے امّی مجھے ماریں گی۔ ابّا نے بہت پیار کیا۔ بہلایا کہ "نہیں ماریں۔ لیکن امّی بلائیں تو انکار نہیں کیا کرتے"۔ اور امی سے فرمایا اسے مارنا نہیں۔ پیار سے سمجھا دو۔ اس طرح جان بچی۔ آج تک وہ نظارہ آنکھوں کے آگے پھرتا ہے۔

پھر وہ ابّا کا مجھے اور حلمی کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر گھوڑے سواری کرانی۔ ہمیں اپنے باغ کا سیر کرانا۔ کلیاں چننا کیا کیا یاد کروں اور کیا بھول جاؤں۔

قادیان اور لاہور کا زمانہ

مجھے قادیان کا وقت بھی یاد ہے۔ اس وقت بھی ابّا بہت مصروف ہوتے تھے۔ لیکن پھر بھی ہم بچّوں کو وقت ضرور دیتے۔ لاہور آئے۔ سات سال وہاں گزارے۔ ہمیشہ کالج اور جماعت کے کاموں میں وقت گزرتا۔ پھر بھی اکثر چھٹی والے دن ہم لوگوں کو PICNIC کے لئے کہیں نہ کہیں لے جاتے کبھی لارنس گارڈن (باغ جناح)، کبھی شالامار باغ تو کبھی کوئی تاریخی مقام دیکھنے۔ قلعہ وغیرہ۔

دینی کاموں کے بعد فراغت کے مشغلے یہ تھے۔ کبھی PICNIC پر چلے گئے تو کبھی شکار پر۔ شکار کا بہت شوق تھا۔ فارغ وقت میں گھر پہ ہم لوگوں کو وقت دیتے کبھی کوئی GAME کھیل رہے ہیں ہمیں پڑھاتے بھی تھے۔ کبھی شعر و شاعری ہو رہی ہے۔ کبھی بیت بازی۔ لاہور میں اکثر ثاقب صاحب زیروی کو بلا کر نظمیں سنتے۔ ایک دن مولوی محمود صاحب کو جو ابّا کے ساتھ کام کرتے تھے لے آئے۔ اور امّی سے فرمایا کہ آج تمہیں بہت اچھی بانسری سنواؤں گا۔ دروازے کے پیچھے ان کو بٹھا دیا۔ انہوں نے بہت اچھی بانسری سنائی۔ تفریح کے قائل تھے بشرطیکہ وہ جائز حدود کے اندر رہ کر کی جائے۔

مزاج میں ذرہ بھی خشکی نہ تھی۔ ابّا کے ساتھ PICNIC پر جا کر یا ساتھ سفر کرنے کا لطف صرف ہم لوگوں کو ہی نہیں بلکہ باقی رشتہ داروں کو بھی بہت آتا تھا۔ کیونکہ کوئی ناجائز سختی نہ کرتے۔ نہ بے جا پابندیاں لگاتے۔

مشکل وقت میں مسکرانے کا پہلا سبق

میں نے کبھی مشکل سے مشکل اور انتہائی پریشانی کے وقت بھی ابّا کا پریشان چہرہ نہیں دیکھا۔ ہر حال میں مسکراتے رہنا۔ ان کا شیوہ تھا۔ جب ۱۹۵۳ء کے فساد ہوئے۔ تو ایک دن صبح ہی صبح پولیس رتن باغ لاہور (جہاں ہمارا قیام تھا) پہنچ گئی۔ فجر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا فرمانے لگے ان سے کہو انتظار کریں میں نماز پڑھ کر

آیا۔ امی ان دنوں بیمار تھیں اور ہسپتال داخل تھیں۔ پولیس کے آنے کی خبر بالکل پُرسکون انداز میں اس طرح سُنی جیسے پہلے ہی جانتے تھے۔ خیر پولیس نے تلاشی وغیرہ لی صرف ایک چھوٹا سا پُرانا تاریخی خنجر اسے ملا جو کہ امی کو جہیز میں ملا تھا۔ اور حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب مرحوم کے آباؤ اجداد کے وقت کا چلا آرہا تھا۔ اس پر ابا کو لے گئے۔ بہت کڑا وقت تھا۔ ابا نے کہا میں کپڑے بدل لوں تو چلتا ہوں۔ پولیس والا کمرے کے دروازے پر کھڑا رہا۔ میں، حلمی (میری بہن) اور میرے بڑے بھائی انس اور چھوٹا بھائی زید ہم ایک لائن میں کھڑے تھے۔ آنکھوں میں آنسو۔ دل کی عجیب حالت۔ ہمارے پاس آئے سب کو ملے۔ پھر میرے چہرے پر تھپکی دے کر بولے "مسکراؤ۔ مسکراؤ" وہ پہلا سبق تھا جو مشکل وقت میں بھی مسکرانے کا ابا نے دیا۔ آپ بھی مسکرا رہے تھے۔ ہمیں بھی مسکرانے کا کہہ رہے تھے۔ نہ وہ وقت بھول سکتی ہوں نہ وہ مسکراتا چہرہ۔ ہمیشہ ہر کام میں ابا نے دل بڑھایا۔ کبھی ایسی کوئی بات نہ کی جس سے کم ہمتی پیدا ہو۔ آپ بھی ہمیشہ حوصلے سے کام لیا اور ہمیں بھی یہی سبق دیا۔

"میری بیٹی بڑے صبر والی ہے"

میرا پہلا پلوٹھی کا بیٹا پیدائش کے وقت ہی فوت ہو گیا۔ جب نرسیں مجھے میرے کمرے کی طرف لے کر جا رہی تھیں تو ابا راستے میں کھڑے تھے۔ آنکھوں میں دُکھ لیکن چہرے پر مسکراہٹ۔ میں ابا کو دیکھ کر ہنس دی۔ مجھے ہنستا دیکھ کر ابا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور آنکھوں میں میں نے اطمینان اور پیار دیکھا۔ پھر میرے پلنگ کے پاس ہی بیٹھ گئے اور بازو کو سہلاتے جاتے اور باتیں کر رہے تھے۔ "تمہارا بیٹا بہت پیارا تھا۔ اتنا خوبصورت بچہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس کا پاؤں بھی بالکل تمہارے جیسا تھا۔ تمہیں پتہ ہے ڈاکٹر سمیع بچے کا افسوس بھی کر رہے تھے اور مجھے مبارکباد بھی دے رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ آپ کی بچی بڑی شیر دل ہے۔ ایسی باتیں کر کے آپ نے میرے اندر ایک نئی روح پھونک دی فرماتے۔ "میری بیٹی بڑے صبر والی ہے"۔ اپنے خطبہ جمعہ میں بھی ذکر کیا۔ اور بیٹی کو اپنے عظیم باپ کی خاطر صبر والا بننا پڑا۔ نصیحت کرنے کی بجائے وہ اس طرح اچھی باتیں روح میں گھول دیا کرتے۔

تعلیم و تربیت کا خاص اسلوب

ابا کا معمول تھا گرمیوں میں خاص طور پر فجر کی نماز گھر میں باجماعت پڑھاتے۔ رمضان میں حدیث کا درس بھی جب وقت ملتا دیتے۔ ویسے بھی تعلیمی مشاغل میں ہماری مدد کرتے۔ جو بھی سمجھ میں نہ آتا میں ابا سے پڑھ لیا کرتی۔ اردو فارسی امی پڑھاتی تھیں۔ باقی مضامین میں ابا مدد دیا کرتے۔ بہت شوق تھا۔ لیکن مجھے جب ربوہ آ کر اردو میں سب پڑھائی کرنی پڑی تو میرے لیے سمجھنا اور کلاس کے ساتھ چلنا مشکل ہو گیا۔ اور میں نے اپنے مضامین بدل دیئے۔ مجھے یاد ہے ابا کو اس بات کا بہت ہی صدمہ ہوا تھا۔ کالج میں میں نے سیاسیات کا مضمون لیا۔ اس وقت

اس مضمون کی کوئی ٹیچر نہیں تھیں۔ لیکن ابّا نے ہمّت بندھائی کہ اگر تمہیں شوق ہے تو ضرور لو۔ میں خود تمہیں پڑھاؤں گا۔" پھر میں نے لاہور میں فریچ سینٹر میں داخلہ لیا۔ ابّا اُن دنوں مغربی ممالک کے دَورے پر گئے ہوئے تھے۔ داخلہ لے کر میں نے خط میں اطلاع دے دی۔ سب نے مجھے منع کیا اور ڈرایا۔ کہ "ابّا ناراض ہوں گے ہر ہفتہ لاہور جا کر کیسے پڑھ سکتی ہو۔" لیکن ابّا بہت خوش ہوئے۔ واپسی پر بھی میری ہمّت بندھائی اور ابّا کی ہی مدد سے میں پہلے امتحان میں ہی اچھے نمبروں سے پاس ہوئی۔ حالانکہ میں نے بمشکل ۱۰ کلاسیں لی ہوں گی۔

جب امتحان قریب تھے تو مجھے اپنے پاس بُلا لیا۔ پڑھنے کے لئے اپنے کمرے میں بٹھا لیا کرتے تھے۔ تاکہ میں پوری توجہ کے ساتھ پڑھ سکوں۔ پھر مجھ سے زیادہ بیقراری سے نتیجہ کا انتظار کیا۔ خود لاہور فون کروا کر پتہ کروایا اور اچھے نمبر لینے پر اس قدر خوش ہوئے کہ وہ خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ آج وہ دلچسپی لینے والا ہمّت بندھانے والا وجود ہی نہیں رہا تو ساری ہمتیں ہی جواب دے گئی ہیں۔ شوق بھی کہیں جا سوئے۔ کاش ابّا کا یہ شوق میں اَب بھی پُورا کر سکوں۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیلوں کا بھی بہت شوق تھا۔ جسمانی ورزش پر خاص زور دیتے کہ اس سے ذہنی ورزش بھی ہوتی ہے۔ گھر میں کبھی ہم لوگ بیڈمنٹن کبھی کرکٹ وغیرہ کھیلتے۔ IN DOOR GAMES بھی رکھی ہوئی تھیں۔ جب بھی فارغ ہوتے۔ ہمارے ساتھ کھیلتے۔ شام کو بیڈمنٹن وغیرہ ضرور کھیلتے۔ چھٹیوں میں ایک بار ہمیں تیر کمان سے نشانے لینے سکھائے۔ ایک بار گھوڑسواری سکھانی شروع کی۔ کبھی چھرے والی بندوق سے نشانے بھی لگواتے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں اکثر ہماری PICNIC یہ ہوتی کہ صبح سویرے ناشتہ ٹوکریوں میں بند کر کے ہم لوگ پیدل ڈگری کالج کے کنوئیں پر چلے جاتے۔ وہاں مالیوں سے کام بھی کرواتے۔ ساتھ ہی تفریح بھی ہو جاتی۔ گھر کے کاموں میں بھی مدد کروا دیا کرتے۔ ایک بار چھٹیوں میں ہمارے پاس کوئی نوکر نہیں تھا۔ امّی نے کہا سب باری باری کھانا پکائیں گے۔ اور ابّا نے کہا ہر شخص اپنے برتن خود دھوئے گا۔ یہ معمول بنا۔ پہلے دِن امّی نے کھانا پکایا۔ اگلے دِن (میری بہن) حلمی نے۔ تیسرے دن میری باری آئی اُن دنوں آگ سے مجھے بہت ڈر لگتا تھا۔ مٹی کے تیل کے چولہے ہوتے تھے۔ نہ جلانے آئیں نہ بجھانے۔ قیمہ پکانا تھا۔ وہ تو اچھا پک گیا۔ اَب گرم دیگچی کون اتارے۔ امّی سے ان دنوں ذرا خوف آیا کرتا تھا۔ جا کر ابّا کو بلایا کہ جلدی چلیں۔ ابّا اپنا کام چھوڑ میرے ساتھ چل پڑے کہ ہؤا کیا ہے۔ میں نے کہا۔ "ذرا یہ دیگچی چولہے پر سے اتار دیں۔ ابّا نے وہ دیگچی اتاری چولہا بند کیا۔ لیکن اتنے میں قیمہ کافی جل چکا تھا۔ کام تو میرا کر دیا لیکن ساتھ ہی نصیحت بھی کی کہ امّی کے ساتھ روزانہ کام میں ہاتھ بٹایا کرو۔

بہت فراست تھی اور صائب الرائے تھے۔ جب بھی مُلک میں انتخابات وغیرہ کا دَور ہوتا۔ ارد گرد کے لوگ ابّا سے مشورہ لینے ضرور آتے۔ اور ابّا انہیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے اور جسے اپنے مقصد میں

مخلص سمجھتے اس کی حتی المقدور مدد بھی ضرور کرتے۔ مجھے یاد ہے اُن دِنوں ہمارے گھر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا

سفارش سے انتہائی نفرت

سفارشوں سے سخت چڑ تھی اور رشوت سے تو انتہائی کراہت کرتے تھے۔ جب بھی کالج میں داخلے کا وقت ہوتا۔ مجھے یاد ہے کہ کوئی نہ کوئی عورت اپنے بیٹے کی سفارش لیکر آجاتی۔ ہمیشہ اسے صاف جواب دیدیتے کہ اگر تمہارا بیٹا لائق ہوا اور کالج کے بنائے ہوئے اصولوں پر پورا اُترا تو یوں بھی داخل ہوجائے گا۔ لیکن اگر ساتھ سفارش ہوئی تو میں ہرگز داخل نہ کروں گا۔ اور اِن دنوں میں کسی کا لایا ہوا تحفہ بھی نہ لیتے تھے۔ اور امی کو بھی پتہ تھا کہ یہ بیٹے کو داخل کروانے کے لئے رشوت ہے۔ اس لئے اکثر خود ہی واپس کر دیا کرتیں۔

باغیرت خود دار۔ با اصول

بے حد باغیرت، خود دار اور با اصول انسان تھے۔ جن باتوں کو ناپسند کرتے۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ کسی کا کپڑا مانگ کر عارضی طور پر بھی پہن لیا جائے۔ جیسے عورتوں کو عادت ہوتی ہے کہ مختلف موقعوں پر یعنی شادی بیاہ یا دعوت وغیرہ پر ایک دوسرے کا زیور یا میچنگ جوتا یا کپڑا لیکر پہن لیا۔ ابا اس کو بہت ناپسند کرتے تھے۔ اور ہم لوگوں کا ایسا کرنا تو بہت ناپسند کرتے تھے۔ کپڑا تو الگ رہا زیور جوتا بھی کسی سے مانگ کر ہم لوگوں کا پہننا گوارا نہ تھا۔ صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ اس بات سے مجھے سخت چڑ ہے۔ کم از کم تم لوگ ایسے نہ کیا کرو۔ صرف امی سے لینے کی اجازت تھی۔ ورنہ ہم بہنیں، بھاوجیں بھی ایسا نہ کر سکتی تھیں۔ بلکہ مجھے لگتا ہے کہ کھُل کر کبھی کسی بات پر سختی کی تو وہ یہی تھی۔

بچوں کی تربیت کا اسلوب

تربیت کے معاملے میں یہ اصول تھا کہ بچوں پر کبھی سختی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اولاد کو اگر دوست بنا کر رکھو تو ان کی ہر اچھائی بُرائی سامنے ہوگی اور انہیں جھوٹ بولنے اور چھُپ کے بُرائی کرنے کی عادت نہیں پڑے گی۔ بچوں پہ اعتماد کرو گے تو وہ بھی کریں گے۔ اور جب بچوں کی ہر بات سامنے ہوگی تو انہیں سمجھایا بھی جا سکتا ہے۔ بُرائی سے روکا جا سکتا ہے۔ لیکن دوست بن کر۔ سختی کرنے سے بچہ ماں باپ سے بھی بھاگتا ہے اور اپنے ماحول سے بھی۔ اور اس طرح وہ بہت سی برائیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور یہی آج کل ساری دُنیا کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ بچوں سے بے پرواہی نہیں برتنے دیتے تھے [illegible] خود برتتے تھے۔ ہمیشہ دوست کی طرح سلوک کرتے [illegible]ور بہت توجہ دینے والے اور انتہائی شفقت کرنے والے باپ تھے۔

بچوں کی سکول کی، کالج کی، یا گھریلو اُن کی ہر ACTIVITY میں خود اتنی دلچسپی لیتے کہ ہر کام میں ہی شوق پیدا ہوجاتا۔ لیکن کڑی نگرانی بھی ساتھ رکھتے جو بچوں کو بظاہر پتہ بھی نہ چلتی۔ جب مجھے اور حلمی کو SACRED HEART سکول میں داخل کروایا تو وہاں کی ہیڈ مسٹریس جو کہ MOTHER کہلاتی ہے۔ اسے لکھ کر دیا ہوا تھا کہ

میری بچیاں ڈراموں میں اور میوزک کلاس میں یا لاٹری میں حصّہ نہیں لیں گی۔ ہمیں اس کا بالکل علم نہ تھا۔ ایک بار میں نے لاٹری کا ٹکٹ خرید لیا۔ ایک گڑیا کی لاٹری تھی اور اتفاق سے وہ میرے نام نکل آئی۔ لیکن عین وقت پر REVEREND MOTHER پہنچ گئیں۔ اور کہا کہ تمہیں یہ گڑیا نہیں مل سکتی کیونکہ تمہارے ابا نے منع کیا ہوا ہے۔ لہٰذا لاٹری دوبارہ نکالی جائے۔ اس وقت یہ بہت بُرا لگا۔ بھلا میرے پاس ٹکٹ بیچنے کی ضرورت کیا تھی۔ ریورنڈ مدر پر بھی غصّہ آیا لیکن ابا کی بات تو بہرحال ماننی تھی۔ اس طرح PIANO سیکھنے کا شوق ہوا لیکن پہلی کلاس کے بعد ہی آرڈر آگیا کہ اسے میوزک کلاس میں نہیں رکھنا کیونکہ اس کے ابا نے منع کیا ہوا ہے۔

مجھے یاد ہے۔ سکول نے ایک ڈرامہ REVEREND MOTHER نے لکھ کر ابا سے خاص اجازت لی کہ اس نے ایکٹنگ نہیں کرنی۔ صرف یہ پری بن کر خاموش کھڑی رہے گی۔ آپ اجازت دے دیں۔ بڑی مشکل سے مشروط طور پر اجازت ملی۔

بہت پیار کرتے تھے بہت ہی زیادہ۔ لیکن بگاڑنے کے لئے نہیں۔ بنانے کے لئے۔ تڑپ تھی کہ بچے اسلام اور احمدیت کے اصولوں پر چلنے والے ہوں۔ خاندانی وقار قائم رکھنے والے ہوں۔ خدا تعالیٰ سے پیار کرنے والے عاجز بندے بنیں۔ علم حاصل کریں۔ اچھے اخلاق پیدا کریں۔ لیکن کبھی نصیحت عام نصیحت کے انداز میں نہیں کی۔ ہمیشہ جب بھی کوئی بات دیکھی۔ تو سب میں بیٹھ کر کبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول سُنا دیا۔ یا بتا دیا کہ آپ یہ فرمایا کرتے تھے۔ کبھی حضرت مسیح الزمان کا کوئی حوالہ یا واقعہ۔ کبھی ابا حضور (حضرت مصلح موعود) کی کوئی بات تو کبھی حضرت امّاں جان کی کوئی مثال۔ جب بھی اچانک اس طرح کی کوئی بات کرتے تو میں سمجھ جاتی کہ ہم میں سے کسی سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ لیکن ایسا کرنے والا کون ہے۔ یہ سوائے خود کے کبھی کسی کو پتہ نہ چلا۔ اور یا کبھی کوئی بات پسند نہ آئی تو وہی بات پکڑ کر چھیڑنا شروع کر دیتے۔ بظاہر ہنس رہے ہوتے لیکن سمجھنے والا سمجھ جاتا کہ یہ بات پسند نہیں آئی۔ یا بچوں کو کوئی بُری حرکت کرتے دیکھتے تو کہتے "اوں ہوں شرم شرم" اور بچہ واقعی اپنی حرکت پر شرما جاتا۔ جھوٹ کم ہمتی، بزدلی اور رونی صورت برداشت نہ تھی۔ فرماتے ہر حال میں ہر وقت مسکراتے رہنا چاہیئے۔ ہر ایک سے اُس کے ظرف اور طاقت کے مطابق سلوک کرتے۔ مجھے یاد نہیں کہ مجھے کبھی ایسا حکم دیا ہو جو میں نہ کر سکوں۔ اگر مجھ میں کوئی کمزوری ہے تو اُسے حکم کے ذریعے دُور کرنے کی کوشش کبھی نہیں کی۔

> تربیت کے معاملے میں یہ اصول تھا کہ بچّوں پر کبھی سختی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اولاد کو اگر دوست بنا کر رکھو تو ان کی ہر اچھائی بُرائی سامنے ہوگی اور انہیں جھوٹ بولنے اور چھپ کے بُرائی کرنے کی عادت نہیں پڑے گی۔

امّی سے انتہائی محبّت اور احترام

امّی سے ہمیشہ انتہائی محبت اور احترام کا سلوک کرتے۔ مجھ سے انتہائی لاڈ پیار تھا لیکن میری مجال نہیں تھی

کہ میں کبھی امّی کی شکایت کروں۔ یا امّی کے ساتھ بدتمیزی سے بول جاؤں۔ خود بھی عزّت کرتے اور بچّوں سے بھی کرواتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم پر امّی کا زیادہ رُعب تھا۔ اور ابّا سے خلافت کے زمانہ سے پہلے میری زیادہ بے تکلفی تھی۔ بعد میں پھر ایک قدرتی رُعب اور خوف طاری ہوگیا۔ امّی کی ہر بات کا خیال رکھتے۔ نرمی سے گفتگو کرتے۔ عزت سے پکارتے۔ خواہشوں کا احترام کرتے۔ کتنے پیارے تھے میرے ابّا۔ بیوی اور بچّوں سے سلوک میں ہو بہو حضرت اقدس مسیحِ دوراں کی تصویر تھے۔ غالباً حضرت اماں جان کی تربیت کا اثر تھا۔ جو باتیں ہمیں حضرت اماں جان اور آپ کی اولاد نے حضرت اقدس کے متعلق بتائیں۔ مَیں نے ابّا کو ویسا ہی پایا۔

ایک دفعہ ابّا کو کسی نے کہا کہ فلاں شخص اپنی بیوی کو سب کے سامنے اونچی اونچی آواز میں ڈانٹ رہا تھا۔ ابّا نے کہا اس سے کہنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے تو فرمایا ہے اپنی بیویوں سے نرمی اور محبّت کا سلوک کرو۔ اور میری طرف سے جا کر کہنا! پھر ایک دن اسلام آباد میں کہنے لگے۔ مَیں سب مردوں کو کہتا ہوں کہ اپنی بیویوں کو آپ کہہ کر مخاطب کیا کریں۔ اس پر میری ایک کزن نے یہ لطیفہ کیا کہ جب ابّا نے یہ بات دُہرائی تو فوراً اپنے میاں کی طرف مُڑ کر بولیں سُنو! تم نے مجھے اب تک "آپ" نہیں کہنا شروع کیا۔ ابّا بھی سُن کر بے اختیار ہنس پڑے۔

> بہت پیار کرتے تھے۔ بہت ہی زیادہ لیکن بگاڑنے کے لئے نہیں۔ بنانے کے لئے۔ تڑپ تھی کہ بچّے اسلام اور احمدیّت کے اصولوں پر چلنے والے ہوں۔ خاندانی وقار قائم رکھنے والے ہوں۔ خُدا تعالےٰ سے پیار کرنے والے عاجز بندے بنیں۔ علم حاصل کریں۔ اچھے اخلاق پیدا کریں۔

مسحُور کُن مقناطیسی شخصیّت

ابّا کی شخصیت مسحُور کُن تھی۔ ایک عجیب مقناطیسی کشش اور حُسن تھا جو سب کو مسحُور کر دیتا۔ ۱۹۷۳ء میں جب باہر تشریف لے گئے۔ تو مَیں بھی بعد میں چلی گئی۔ اور یورپ کے دَورے میں ساتھ رہی۔ وہاں انگلینڈ اور یورپ میں جو نظارے مَیں نے دیکھے اُن کا کیف آج تک محسوس ہوتا ہے۔ ابّا کہیں بھی جاتے کوئی سیر ہو یا دوکان یا ریسٹورنیٹ لوگ سب کام چھوڑ کر ابّا کی طرف دیکھنے لگتے۔ کچھ بات کرنے سے جھجکتے اور کچھ لوگ آگے بڑھ کر جھجکتے ہوئے بات کرتے اور جب ابّا مسکراتے ہوئے بے تکلفی سے بات شروع کر دیتے تو وہ بھی بے تکلف ہو جاتے۔ لیکن انتہائی اَدب سے گفتگو کرتے۔ سب کے چہروں پر خود بخود مسکراہٹ آجاتی۔ آنکھوں میں تعریفی اور سراہنے والے جذبات ہوتے پیار ہوتا۔ عزت ہوتی۔ ابّا ایک منٹ میں سب کو بے تکلف کر لیتے۔ لوگ پھر کُھل کر باتیں کرنے لگتے۔ انگلینڈ میں یہ بات عام طور پر دیکھی جاتی ہے کہ وہاں کے بوڑھے خود باتیں کرتے ہیں ورنہ جوان اور بچّے ذرا اپنے آپ کو لئے دیئے رکھتے ہیں۔ لیکن مَیں نے دیکھا ابّا کی طرف جوان اور بچّے خاص طور پر کھنچے چلے آتے تھے۔ ایک دفعہ کہیں سیر کو گئے کوئی CASTLE دیکھنے غالباً۔

ہماری کاروں کے ساتھ ہی ایک بس رُکی اس میں سے کوئی پندرہ بیس لڑکے جو نو سال سے اٹھارہ سال کی عمر کے تھے۔ اُترے اور ابّا کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ یہ اطالوی بچّے تھے۔ کچھ جھجکتے ہوئے قریب آئے اور ایک بولا یہ عرب شیخ ہے۔ ابّا نے سُن لیا اور اُن کے پاس چلے گئے۔ اور بتایا میں عرب شیخ نہیں ہوں۔ میں تو پاکستانی ہوں۔ ابّا کو باتیں کرتے دیکھ کر باقی بچّے بھی قریب آگئے۔ اور پھر سب نے باتیں شروع کر دیں۔ غانا والے وہاب صاحب بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے بچّوں کو بتایا کہ یہ ہمارے خلیفہ ہیں۔ تو ایک بچّہ دوسرے سے بولا یہ مُسلم خلیفہ ہیں۔ ان کی چار بیویاں ہیں تین ساتھ لے آئے ہیں ایک کو بچّوں کے پاس چھوڑ آئے ہوں گے۔ ابّا نے سُنا تو بہت ہنسے اور ان بچّوں سے کہا کہ میری ایک ہی بیوی ہے اور یہ میری بہو اور بیٹی ہیں۔ ارد گرد اور لوگ بھی آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ میرا خیال ہے

ONE WIFE IS MORE THAN ENOUGH.

یعنی ایک بیوی کافی سے زیادہ ہے۔

یہ سُن کر سب لوگ ہنس پڑے۔ ہم VENICE آگئے وہاں ایک SQUARE بنا ہوا ہے۔ جس کا نام ST-MARCO,S SQUARE کا چرچ ہے۔ جس پر بڑی خوبصورت تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ دونوں طرف برآمدوں کے آگے کرسیاں وغیرہ رکھی ہوئی ہیں اور لوگ چائے وغیرہ پیتے ہیں۔ ہم لوگ ہوٹل سے نکلے تو ابّا نے امّی سے کہا تم لوگ ST.MARCO,S SQUAR جاؤ میں آرام سے تصویریں کھینچتا ہوا آؤں گا۔ خیر ہمارا تھوڑا ہی فاصلہ تھا۔ اس VENIEC شہر میں دُنیا کے کونے کونے سے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا سب ہی ابّا کی تصویریں لینے لگ گئے۔ ہم لوگوں کو برقعے میں حیرت سے دیکھتے لیکن کوئی خاص توجہ کسی نے نہیں دی۔ لیکن جوں ہی ابّا اس SQUAR میں داخل ہوئے ایک ایک کر کے تمام لوگ چائے وائے چھوڑ کر ابّا کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ جیسے چھتے کے ساتھ شہد کی مکھیاں چمٹتی ہیں۔ اس طرح گھیرے میں لے لیا۔ کئی سو آدمی ارد گرد اکٹھا ہو گیا۔ سوال و جواب شروع ہو گئے۔ ابّا نے چرچ کی طرف انگلی اُٹھا کر کہا جس طرح آپ لوگ مذہب سے دُور جا رہے ہیں میرے خیال میں اگلے بیس۲۰ سال میں یہ چرچ صرف تفریح گاہ ہی رہ جائے گا۔ ایک نوجوان بڑے جوش سے بولا آپ بیس۲۰ سال کہہ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے اگلے دو سال میں ہی ایسا ہو جائے گا۔ اس طرح کے بے شمار نظارے دیکھنے میں آئے۔ بچّوں سے تو ابّا بہت ہی محبت کرتے تھے۔

محبّت کا بہتا ہوا چشمہ

میں نے دیکھا کہ جماعت کے لوگوں کو تو تھا ہی عشق۔ لیکن غیر بچّے بھی ابّا کی طرف کھنچے چلے آتے اور منٹوں میں بے تکلّف ہو جاتے اور اس کے علاوہ باقی دُنیا کے لئے بھی ابّا کی ہستی ایسی تھی جیسے محبّت کا بہتا ہوا چشمہ۔ جو ایکبار بھی ملا وہ بھول نہیں سکتا۔ اس کی

مثال مَیں نے SPAIN کی مسجد بشارت کے افتتاح
کے وقت دیکھی۔ جو عورتیں مسجد کی بنیاد رکھنے کے موقع پہ
(جو ابّا نے رکھی تھی) موجود تھیں۔ وہ آنسوؤں کے ساتھ ابّا
اور امّی کو یاد کر رہی تھیں۔ ایک ڈاکٹر کی بیوی ملی۔ وہ
مسجد کی بنیاد رکھنے کے وقت بھی آئی تھی۔ اُسے ابّا کی
وفات کا علم نہیں تھا۔ ٹی۔وی پہ افتتاح کے متعلق سُنا
تو آگئی۔ اُس نے خود بتایا کہ جب مَیں نے ان کو نہ دیکھا
اور وفات کا پتہ چلا تو مجھے بہت SHOCK پہنچا۔ مَیں
تو اِن دونوں سے دوبارہ ملنے کی حسرت لیکر آئی تھی اور
دو سال سے اس فنکشن کا انتظار کر رہی تھی۔ جس
جذبے سے انہوں نے بنیاد رکھی اور جس طرح دُعائیں کیں اور
ان کے چہرے کے وہ تاثرات مَیں کبھی نہیں بُھلا سکتی۔
لیکن پھر مَیں نے یہ سوچ کر دِل کو تسلّی دی کہ وہ یقیناً
روحانی طور پر اس تقریب میں شامل ہوں گے۔ اور سب
کچھ دیکھ رہے ہوں گے۔ کیا ہُوا اگر ان کا جسم یہاں موجود
نہیں۔ یہ سب باتیں بتاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں
آنسو تھے۔ اور وہ مجھے بھی تسلّی دے رہی تھی۔ وہ کوئی
احمدی عورت نہ تھی بلکہ سپینش غیر مُسلم عورت تھی۔

امّی کی وفات کا گہرا اثر

لیکن ابّا کی وہ مسحور کُن زندہ مسکراہٹ امّی کی وفات
کے ساتھ ماند پڑ گئی۔ مسکراتے تو اَب بھی تھے اور انتہائی
صبر کا عملی نمونہ ہمیں دکھایا لیکن اَب چہرے پر اداسی کی
چھاپ آگئی تھی۔ بے قراری بہت بڑھ گئی تھی۔ ایک دن
کہنے لگے۔ پہلے سُنا اور پڑھا تھا کہ ہُوکیں اُٹھتی ہیں
لیکن کبھی اس کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ آج معلوم ہُوا کہ
ہُوک کیا ہوتی ہے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ مَیں جب تک
اپنے کام میں مصروف رہتا ہوں۔ مجھے خیال بھی نہیں آتا۔
لیکن جب کام ختم کر کے گھر کی طرف چلتا ہوں۔ نیزے کی اَنی
کی طرح منصورہ بیگم کی یاد میرے دل میں چُبھتی ہے۔ اور
مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ امّی کا ذکر کرتے تو اکثر آواز
بھرا جاتی۔ لیکن ضبط کر جاتے۔ فارغ وقت میں امّی ہی کا
ذکر ہوتا اور کبھی تصویریں وغیرہ نکال کر ہم لوگوں کو دکھاتے
ان کو ترتیب سے البم میں لگاتے۔

بچّوں سے دوستی کی ایک اور مثال دُوں آپ کو۔
جب لوگوں نے ابّا کو شادی کے متعلق لکھنا شروع کیا
تو سب سے پہلے اس کا ذِکر ابّا نے مجھ سے ہی کیا۔ مجھے
بتایا کہ لوگ لکھ رہے ہیں کہ "حضور آپ کو تو شاید نہ ضرورت
ہو لیکن جماعت کو ایک ماں کی اشد ضرورت ہے۔ خاص طور
پر عورتوں کو۔" کئی لوگوں نے خوابیں لکھیں کہ خدا تعالےٰ کا
منشاء یہی ہے۔ آپ کو شادی کر لینی چاہیئے۔ ابّا نے کہا کہ
دُعا کرو کہ اگر اللہ تعالےٰ کو یہ منظور ہے تو پھر خود ہی
اس کے سامان پیدا کرے۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ کئی
دفعہ یہ بھی کہا کہ مَیں تو یہ دُعا کرتا ہوں کہ خدایا مجھے کسی
کا محتاج نہ بنانا۔ اللہ تعالےٰ نے یہ دُعا سُن لی اور پوری کر
دی۔ کیونکہ بیوی کے ساتھ محتاجی کا احساس نہیں ہوتا۔

پھر شادی کے بعد آپا طاہرہ
سے بے حد محبت کا سلوک کیا۔ ان کا ہر طرح سے خیال رکھا۔

یہ ان کے بے حد وسیع القلب ہونے کی دلیل ہے۔ شادی کے سلسلے میں جو بھی بات ہوتی وہ مجھ سے ضرور کرتے۔ باقی بچّوں کو بھی اعتماد میں لیا۔ کوئی قدم بھی ہمیں بتلائے بغیر نہیں اٹھایا۔ لوگوں کی باتیں سُنتے اور نظر انداز کر دیتے۔ کیونکہ الٰہی منشاء کے مطابق سب کام کر رہے تھے۔ انہیں دُنیا کی پرواہ نہیں تھی۔ ایک دن میرا بازو پکڑ کر بولے۔ دُنیا سے کبھی نہ ڈرنا۔ اس کی تو عادت ہے۔ بولنے کی صدا سے بول رہی ہے۔ اور ہمیشہ بولے چلی جائے گی۔

امّی کی وفات کے بعد آپ کا معمُول

امّی کی وفات کے بعد میں چونکہ ابّا کے پاس ہی ہوتی تھی۔ اس لئے اُور بھی قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا کھانا ہمیشہ کم کھاتے تھے۔ اَب اور بھی کم ہو گیا۔ کام بہت زیادہ کرتے تھے۔ اکثر رات کو تین تین بجے تک ڈاک وغیرہ دیکھتے رہتے۔ صُبح کی نماز کے بعد کچھ دیر سوتے پھر آٹھ ساڑھے آٹھ ناشتہ کر کے تیار ہو کر دفتر چلے جاتے۔ دوپہر کو کوئی پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹہ کام کرتے۔ پھر نماز کے بعد قصرِ خلافت کی عمارت دیکھنے جاتے۔ واپس آکر باہر ٹہلنے نکل جاتے۔ پھر آکر چائے پیتے۔ الفضل پڑھتے۔ ڈاک دیکھنے لگ جاتے کوئی ملنے آجاتا۔ تو اس سے باتیں کرتے۔ مغرب کی نماز کے بعد کبھی رشتہ دار جو آئے ہوتے ان سے ملتے یا کام زیادہ ہوتا تو دفتر چلے جاتے۔ کبھی ملاقات کے لئے باہر سے لوگ آجاتے۔ پھر عشاء کی نماز اور کھانے کے بعد ہم لوگوں میں کچھ دیر بیٹھتے۔ اور پرانی باتیں سُناتے رہتے۔ اس کے بعد پھر رات کے ڈھائی تین بجے تک اپنا کام کرتے رہتے۔ تین چار بار شکار پر بھی گئے۔ کئی دفعہ شام کو ہم سے AIR GUN سے ٹارگٹ شوٹنگ کروائی۔ غرض اپنے آپ کو بالکل مصروف رکھتے۔

بعض دُعائیں جو آپ کا معمُول تھیں

دو بار اسلام آباد گئے۔ مَیں بھی ساتھ ہوتی۔ رستہ میں ان دنوں یہ دُعا بار بار پڑھتے۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْر

ایک دن خود ہی مجھ سے فرمایا کہ یہ دُعا خود بخود میری زبان پر جاری ہو گئی ہے۔ ورنہ میں سفر میں عام طور پر دوسری دُعائیں اور درُود وغیرہ زیادہ پڑھتا ہوں۔

ایک بار ہم اسلام آباد جا رہے تھے تو رستہ میں مجھ سے فرمایا کہ جو عورت بھی رستہ میں ملے اسے ہاتھ سے سلام کیا کرو۔ اسلام یہی کہتا ہے۔ سب کو سلام کرو خواہ جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔ خود بھی ایسا ہی کیا کرتے۔ رستہ میں جتنے بھی لوگ دیہاتی ہوں یا دوسرے یا بچے گزرتے نظر آتے۔ انہیں ہاتھ اُٹھا کر ضرور سلام کرتے۔

دُعاؤں پر بہت زور دیتے تھے اور خدا تعالیٰ پر کامل توکل رکھتے۔ ہر کام سے پہلے دُعا کرنا آپ کی عادت تھی۔ جب ہم لوگ بچّے تھے تو کھانے سے پہلے ابّا بلند آواز میں بسم اللہ پڑھتے اور کھانے کے بعد بلند آواز میں الحمد للہ۔ تاکہ ہمیں ایسی عادت پڑے۔

ہر سفر میں بلند آواز میں یہ دُعا پڑھتے

بسم اللہ مجرھا و مرسھا انّ

ربّی لغفورٌ رحیم۔

بِسْمِ اللّٰہِ توکلتُ علی اللّٰہِ ولا
حول ولا قوت اِلّا باللّٰہ

مجھے کئی بار یہ فرمایا کہ اگر تم ہر کام سے پہلے اور کہیں بھی آتے جاتے وقت یا خوف اور گھبراہٹ کی حالت میں یہ دُعا پڑھ لیا کرو بسم اللّٰہ توکلت علی اللّٰہ ولاحول ولا قوّت اِلّا باللّٰہ تو تمہارے کام بھی انشاء اللہ ٹھیک ہوں گے۔ اور خوف اور گھبراہٹ بھی نہیں ہوگی۔

اس دُعا پر بھی بہت زور دیتے۔ سبحان اللّٰہ و بحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّدٍ وعلی اٰلِ محمّدٍ اور ربّ کُلّ شیئٍ خادمك ربّ فاحفظنا والنصرنا والرحمنا۔ فرماتے رات کو تینوں قُل پڑھ کر سویا کرو۔

خدا پر کامل توکل تھا۔ اسی لئے مشکل سے مشکل کام یا وقت میں بھی ابّا پر گھبراہٹ طاری نہ ہوتی۔ رزق کے لئے تو میں نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کو پریشان ہوتے نہیں دیکھا۔ ایک بار اپنا بٹوہ کھول کر مجھے دکھاتے ہوئے فرمایا۔ "خدا تعالیٰ کا اس بٹوے سے یہ سلوک ہے کہ اسے کبھی خالی نہیں ہونے دیتا۔" اور خدا تعالیٰ جو بھی آپ کو دیتا وہ اس کی راہ میں خرچ کئے چلے جاتے۔ اکثر ایسے نظارے دیکھے کہ جیب میں ہاتھ ڈالتے اور بے تحاشہ رقم غریبوں اور مستحقین کو بانٹتے چلے جاتے۔ بہت TIP دینے کی عادت تھی۔ ہوٹل میں جاتے تو بَیروں کو بہت زیادہ TIP دیدیتے۔ ڈاک بنگلہ میں ٹھہرتے تو چوکیدار کو سو پچاس ضرور دے دیتے۔ مُلک سے باہر جب جاتے وہاں بھی یہی حال ہوتا۔ اتنی عادت تھی TIP دینے کی کہ بعض جگہ لطیفے بھی ہو جاتے۔ ایک بار سکاٹ لینڈ میں گریٹنا گرین کے پادری کو گائیڈ سمجھ کر دس پونڈ دے دیئے۔ اس کا مُنہ سُرخ ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ مَیں پادری ہوں لیکن آپ کا تحفہ واپس نہیں کروں گا۔ آپ مجھے اس پر اپنے دستخط کر کے دے دیں۔

VENICE میں ایک جزیرہ ہے وہاں شیشے کی FACTORY ہے۔ ہمیں دکھانے لے کر گئے۔ اس فیکٹری کا مینجنگ ڈائریکٹر خود ابّا کے ساتھ ہو لیا اور ساری فیکٹری دکھائی۔ اس کو بھی چلتے ہوئے کافی رقم دے دی۔ اور جب اس کے چہرے کا رنگ دیکھا تو فوراً بولے "یہاں کام کرنے والوں کو میری طرف سے انعام دیدیں۔" پھر اس کا نام وغیرہ پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ مینجنگ ڈائریکٹر ہے۔

فرمایا کرتے خدا تعالیٰ اتنا پیار کرنے والا ہے

> دُعاؤں پر بہت زور دیتے تھے اور خدا تعالےٰ پر کامل توکل رکھتے۔ ہر کام سے پہلے دُعا کرنا آپ کی عادت تھی۔ جب ہم لوگ بچے تھے تو کھانے سے پہلے ابّا بلند آواز میں بسم اللہ پڑھتے اور کھانے کے بعد بلند آواز میں الحمد للہ۔ تاکہ ہمیں ایسی عادت پڑے۔

اور اس قدر دیتا ہے۔ بے شمار اس کے فضل ہیں کہ اگر ہم تمام عمر بھی شکر کرتے رہیں تو بھی کم ہے۔

آپ کی بتائی ہوئی ایک دو باتیں

ان دنوں کی بتائی ہوئی ایک دو باتیں اب تک دماغ میں گونجتی ہیں۔ رات کا وقت تھا۔ ہم سب بیٹھے تھے۔ اچانک باتیں کرتے کرتے فرمایا کہ اپنے دوست سے ہمیشہ دوستی نبھانی چاہیئے۔ حضرت مسیح الزمان نے تو یہ فرمایا ہے کہ اگر ہمارا دوست شراب پی کر گندی نالی میں بھی بدمست گرا پڑا ہو تو اسے اٹھا کر ہم گھر لے آئیں گے۔ اور یہ پرواہ نہ کریں گے کہ دنیا ہمیں کیا کہتی ہے۔

پھر ایک دن کھانے کی میز پر فرمایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک بار ایک صحابی سے ناراض ہو گئے اور اس سے بات چیت چھوڑ دی۔ ایک مجلس میں چند دوسرے لوگوں نے اپنی طرف سے خوش کرنے کے لئے اس شخص کی بُرائی کرنی شروع کر دی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑے جلال سے فرمایا "اس کے لئے یہ سزا بہت ہے کہ میں اس سے ناراض ہوں۔ تم لوگ اس کی بُرائی کرکے اچھا نہیں کر رہے"۔ کچھ اس قسم کے الفاظ تھے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بُرائی کرنے کو بے حد بُرا سمجھا۔ یہ حدیث اچانک اس طرح سنائی کہ خیال ہوا کہ یقیناً آج کوئی ایسی بات ہوئی ہے۔ یا ہمیں INDIRECT طریقے پر نصیحت کر رہے تھے کہ ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے۔

میری ایک بیماری پر حضور کی پریشانی

ایک دفعہ جب میں بیمار ہوئی بڑا شدید PENCRITITUS کا دورہ پڑا۔ ابا اس قدر پریشان ہوئے کہ جس کی حد نہیں۔ ایک دن میری طبیعت بہت بگڑ گئی۔ میں نے گھبرا کر ابا کو بلوایا۔ ساتھ والے کمرے میں بیٹھے تھے۔ فوراً آگئے۔ میرے پاس پلنگ پر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا ابا مجھے کچھ ہو رہا ہے۔ میرے لئے دعا کریں۔ "اللہ فضل کرے۔ اللہ فضل کرے"۔ یہ کہتے ہوئے ایک ہاتھ سے اپنی پیشانی پکڑ کر سر جھکا کر بیٹھ گئے اور دعائیں کرتے رہے۔ میری حالت اتنی خراب تھی کہ ٹانگیں بالکل سُن ہو چکی تھیں۔ اور دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دل میرے سینے سے نکل کر حلق میں آگیا ہے سانس تیز اور اکھڑی اکھڑی آرہی تھی۔ میں سمجھی کہ میرا وقت قریب ہے۔ اس حالت میں بھی جب ابا پر نظر اُٹھی تو آپ کے چہرہ پر اتنی پریشانی کے آثار تھے کہ میں برداشت نہ کر سکی اور بے اختیار یہ دعا نکلی یا اللہ ابا کو اب کوئی دُکھ نہ دکھانا۔ یا اللہ ابا کو اب میرا دُکھ نہ دکھانا۔ اتنی طبیعت خراب ہونے کے باوجود اب تک وہ چہرہ میرے ذہن پر نقش ہے۔ پھر چند دن بعد مجھے اسلام آباد لے کر گئے۔ ڈاکٹر محمود الحسن صاحب کو بلوا کر دکھایا۔ اور تاکید کی کہ مکمل CHECK UP ہونا چاہیئے۔ ہر طرح میرا خیال رکھا اور میرے لئے پریشانیاں اٹھائیں۔ لیکن آج وہ کہاں۔ وہ میرا خیال رکھنے والا۔ مجھے ساری عمر کی پریشانیاں دے کر چلا گیا۔

لکھنے کو تو بہت کچھ ہے لیکن اب اور لکھا نہیں جاتا میرے پیار ابا۔ میرے پیارے آقا۔ میرے محسن۔ میرے مشفق۔

میرے دوست خدا حافظ ۔

تمہاری قبر پہ تا حشر بارانِ کرم برسے
تمہاری رُوح کو حاصل ہو وصلِ رحمتِ باری
خدا حافظ تمہارا ہو تمہیں جس نے بلایا ہے
ہمارا ہی خدا حافظ خدا داری چہ غم داری

حضور نے فرمایا :-

"اے وہ لوگو جو زمین کے جنوبی کناروں تک پھیل کر قرآن کریم کی عظمت کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کرتے ہو تم قرآن کریم کی عظیم بشارتوں کے وارث بنو۔ اور اسلام، بانیٔ اسلام اور بانیٔ اسلام کو بھیجنے والے خدا کا تم پر سلام ہو"
(جلسہ سالانہ کی دعائیں صـ۴۲)

اظہارِ تشکر

ادارہ مصباح کو محض خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے اپنے پیارے امام اور نہایت ہی شفیق اور محسن آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصباح کا یہ باتصویر خاص نمبر شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

اس نمبر کی تدوین و ترتیب کے لئے ہمیں ہر مرحلہ پر حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ مدظلہا العالی صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی مدد اور راہنمائی حاصل رہی اسی طرح محترمہ صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ صاحبزادہ مرزا لقمان احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب نے بھی بہت تعاون فرمایا۔ عاجزہ خاندان حضرت مسیح موعود آخر الزمان (اللہ تعالیٰ کی ان پر سلامتی ہو) کی ان تمام واجب الاحترام خواتین مبارکہ کی بھی دلی شکر گزار ہے جنہوں نے میری درخواست پر قیمتی مضامین رقم فرمائے اور وہ اس نمبر کی زینت بنے۔ اسی طرح پاکستان اور انگلستان کی جن بہنوں اور بھائیوں نے اس نمبر کے لئے مضامین لکھے۔ تصاویر بھجوائیں یا نظمیں ارسال فرمائیں میں ان سب کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ بالخصوص محترمہ سارہ رحمٰن صاحبہ آف لنڈن کا کہ انہوں نے اس نمبر کو بہتر بنانے کے لئے خاص کوشش کی۔

افسوس ہے کہ باوجود کوشش کے بعض قیمتی مضامین اور نظمیں عدم گنجائش کی وجہ سے اس نمبر میں جگہ نہ پا سکیں۔ جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ انہیں آئندہ اشاعتوں میں انشاء اللہ شائع کر دیا جائے گا۔

(مدیرہ مصباح)

ہر ادا اُس کی مجسم حسن اور احسان تھی

(مکرم الحاج مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری)

آج پھر یاد آگیا اِک صاحبِ رُوئے جمیل
احمدِ موعود کے پیارے "مبارک" کا مثیل
جس نے پایا "نافلہ" ربِّ محمدؐ سے خطاب
مُصلحِ موعودؓ کا تھا جو بروزِ لاجواب
ناصرِ دینِ شہنشاہِ زمین و آسماں
اور فرزندِ عظیمِ سیّدہ نصرت جہاں
جس کو اپنی جاں سے بھی بڑھ کر رہا قرآں سے پیار
مشرق و مغرب میں کی اس کی اشاعت بے شمار
پرچمِ اسلام جو اُندلس میں پھر لہرا گیا
سات صدیوں بعد پھر مسجد وہاں بنوا گیا
یورپ و امریکہ کو ہر نیک و بد سمجھا گیا
ہسپتال اور مدرسے افریقہ میں کھلوا گیا
چاند تھا محمود کا ایسا وہ جس کے نُور سے
ہو گئے رخشاں کئی اقوام کے ظُلمت کدے
دل تڑپ اُٹھتے تھے اس کی ہر ادائے ناز پر
غیر تھے حیران و ششدر اُس کے ہر انداز پر
"سایۂ رحمت تھا وہ انصارِ دیں کے واسطے"
اور اِک حِصنِ حَصیں شرعِ متیں کے واسطے
مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر تھی رقصاں ہر گھڑی
اور زباں پر تھی ثنائے ربِّ رحماں ہر گھڑی

اُس کے ہر انداز میں اِک تمکنت تھی شان تھی
ہر ادا اُس کی مجسّم حُسن اور احسان تھی
گاہے لگتا تھا وہ اِک کوہِ وقار و اقتدار
اور گاہے پیکرِ مِہر و محبّت ، لُطف و پیار
آہ! سُوئے خُلد آخر وہ بھی رخصت ہو گیا
جو نہ تھا وہم و گماں بھی وہ بعُجلت ہو گیا
یک بیک اِک گلستاں کا گلستاں مُرجھا گیا
ہر کلی ہر پھُول ہر سَرو و سمن کُملا گیا
دیکھتے ہی دیکھتے وہ مومنوں کا گُلعذار
کر گیا اپنی جدائی سے ہر اک کو سوگوار
اجنبی لگنے لگا ہر اک کو یہ سارا جہاں
جسمِ بے جاں سا نظر آتا تھا ہر خورد و کلاں
رات دن گزرے جماعت کے دُعائے خاص میں
دَر پہ رَبِّ دو جہاں کے التجائے خاص میں
آخر کش سُن لی خُدا نے اپنے بندوں کی پکار
قدرتِ ثانی ہوئی جلوہ کناں پھر ایک بار
آسماں سے پھر نزولِ رحمتِ باری ہُوا
اہلِ دل پر خاص روحانی سماں طاری ہُوا
مومنوں نے قافلہ سالار اپنا چُن لیا
ہاتھ میں اُس کے ہر اک نے ہاتھ اپنا دیدیا
سَرورِ ہر دو سرا کے اِک غلامِ نامدار
طاہر احمد میرزا نے بانیاز و انکسار
زیبِ تن کر لی بحکمِ اللہ خلافت کی قبا
قدرتِ ثانی کا یُوں جلوہ نیا ظاہر ہُوا

یہ سراسر فضل ہے اللہ کا ہم پر مُدام
ہم نہیں رہتے کبھی بھی بے خلیفہ ، بے امام
یاالٰہی جلد اپنے دین کا غلبہ دکھا
ہو محمد مصطفٰےؐ پر ہر بشر دل سے فدا
دین ہر اک کا فقط اسلام ہی اسلام ہو
کلمۂ توحیدِ حق سب کی زباں پر عام ہو

میرے آقا ترے بچھڑنے سے
اس دلِ خوں چکاں پہ کیا گزری!

(محترمہ طیبہ شہناز صاحبہ لنڈن)

اَب بھی ویراں ہے کشتِ دل میری
ابرِ نیساں نہیں ، بہار نہیں
تپش اندوز سے نظاروں پر
ایسے ویران ریگ زاروں پر
جب برستی ہیں کھُل کے آنکھیں میری
تیری یادوں کے پھُول کھلتے ہیں

اشک روکے سے رُک نہیں سکتے
دل کو صبر و قرار آتا نہیں
صبح نوخیز ہو ، کہ شامِ ازل
کچھ بھی اَب میرے دل کو بھاتا نہیں
زندگی اِک کھُلی حقیقت ہے
جانے والے کہاں سے ملتے ہیں؟

تیری شفقت تیری محبت کے
جو مناظر کہ مَیں نے دیکھے تھے
کیسے واپس مَیں لاؤں وہ لمحے؟
اُن کی تجدید ہو نہیں سکتی
یہ کسی کے بھی بس کی بات نہیں
زندگی کو یہاں ثبات نہیں

اشک پلکوں پہ آہی جاتے ہیں
دل میں بستی ہیں عظمتیں تیری
تیرے کھلتے ہوئے تبسم سے
اَب بھی روشن ہے کائنات مری
محو ہو جائیں دل سے وہ یادیں
اَب تو یہ میرے بس کی بات نہیں

مجھ کو معلوم ہے مرے آقا!
اعلیٰ جنت میں ہے مکاں تیرا
پھر بھی میری دُعا ہے مولا سے
تیری تربت پہ اے مرے آقا
بارشیں اُس کے پیار کی برسیں
کیونکہ تُو تھا سفیر اُلفت کا!!

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَهْلِهٖ

حدیث النبیؐ

حضرت سیّدہ طاہرہ صدیقہ ناصر صاحبہ مدّظلہا حرم ثانی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

حضورؒ نے اپنی ہر استعداد کو خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ انتہاء تک پہنچایا۔ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حد تک عمل فرمایا کہ آپ کے جسم اور رُوح، قول اور فعل کا ذرّہ ذرہ اور آپ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ اس بات پر گواہی دیتا ہے کہ آپ نے اپنی تمام عمر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی پیروی کرتے ہوئے گزاری۔

اُسوۂ نبوی پر عمل پیرا ہونے کا نمونہ

ایک مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھانے کے بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ جب گھر واپس تشریف لائے تو مجھ سے خطبہ کے متعلق میرے تاثرات پوچھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور نے خطبہ میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی جو تشریح فرمائی ہے وہ مجھے بہت اچھی لگی ہے۔ حضور کے ارشاد کا مفہوم یہ تھا کہ ہر شخص کو خدا تعالیٰ نے مختلف استعدادیں مختلف حد تک دی ہیں۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام استعدادیں سب انسانوں سے بڑھ کر دی گئیں اور انہوں نے اپنی اِن تمام استعدادوں کی نشوو نما کو اپنی انتہاء تک پہنچایا۔ پس اُسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ہر انسان کو جو روحانی، جسمانی، اخلاقی اور طبعی استعدادیں عطا کی گئی ہیں وہ انہیں اُن کے نقطۂ کمال تک پہنچائے۔

حضور کی زندگی اور شخصیت پر اگر حضور کے مندرجہ بالا ارشاد کی روشنی میں نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضورؒ نے اپنی ہر استعداد کو خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ انتہاء تک پہنچایا۔ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حد تک عمل فرمایا کہ آپ کے جسم اور رُوح قول اور فعل کا ذرّہ ذرّہ اور آپ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ اس بات پر گواہی دیتا ہے کہ آپ نے اپنی تمام عمر خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی پیروی کرتے ہوئے گزاری۔

مَیں نے اپنے مضمون کے لئے یہ عنوان اس لئے منتخب کیا ہے کہ ذاتی زندگی پر روشنی بیوی سے زیادہ بہتر طور پر اور کوئی نہیں ڈال سکتا۔ بیوی اور خاوند کا ساتھ ہر وقت کا ہوتا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کی تمام عادات و اطوار اور خوبیوں اور خامیوں سے کسی بھی تیسرے شخص سے زیادہ اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔

شفقت ہی شفقت، پیار ہی پیار

مَیں سچ کہتی ہوں کہ چوبیس گھنٹوں میں سے حضور کے ساتھ گزرا ہُوا ایک ایک لمحہ اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق گزر رہا ہے

حضور کا حُسنِ سلوک اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ قابلِ رشک حد تک خوبصورت تھا۔ مجھے وہ الفاظ نہیں ملتے جن سے مَیں اس کا نقشہ کھینچ سکوں۔ بس اتنا کہہ سکتی ہوں کہ چاروں طرف پیار ہی پیار تھا شفقت ہی شفقت تھی۔ اور اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اتنا گہرا اور شدید پیار اور اتنی شفقت کہ عام انسان تو اُس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ بسا اوقات میں خود حیران ہو جاتی تھی۔

حضور کے ساتھ میرا تعلق بیوی کی حیثیت میں اگرچہ بظاہر صرف دو ماہ کے قلیل عرصہ تک رہا۔ لیکن یہ تعلق اس قدر گہرا، اس قدر مضبوط، اس قدر پیار سے بھرپور اور اتنا بے تکلف تھا کہ بیسیوں سال پرانے رشتے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

حضور نے شروع دن سے ہی مجھ سے یہ فرمایا کہ دیکھو میرے ساتھ تکلف بالکل نہیں کرنا۔ جب تک بے تکلفی نہیں ہوگی ہم اپنا کام صحیح طور پر نہیں کر سکتے۔ میرے پاس تمہاری TRAINING کے لئے صرف ڈیڑھ دو ماہ ہیں۔ اس عرصہ میں مَیں نے تمہاری مکمل تربیت کرنی ہے۔ مَیں تمہیں اپنی ذات کے اندر اس طرح FIT IN کروں گا جس طرح NUT کے اندر SCREW فٹ ہو جاتا ہے۔ حضور کی خواہش تھی کہ مَیں جلد سے جلد حضور سے تربیت حاصل کر کے خدمتِ اسلام میں آپ کا پورا پورا ساتھ دوں۔ مجھے سکھاتے بھی تھے اور جب مَیں آپ کی خواہش کے مطابق کوئی کام کرتی تو بہت خوش ہوتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ حضور میں یہ خاص بات دیکھی کہ چھوٹی سے چھوٹی خوبی کو بھی ضرور APPRICIATE فرماتے۔ خوش ہو کر فرماتے ذہین ہو۔ صاحبِ فراست ہو۔ اور سیکھتی بہت جلد ہو۔ اس بات سے میرا حوصلہ بہت بڑھ جاتا۔ اکثر جب مَیں نماز پڑھ رہی ہوتی، حضور قریب سے گذرتے تو فرماتے "شاباش" اور پھر کئی دفعہ نماز میں رقّت کے ساتھ دُعا کرنے کی طرف بھی توجہ دلاتے اور یہ بھی کہ نماز اس وقت ادا کرنی چاہیئے جب کہ پوری طرح اس کی طرف توجہ ہو۔ محض دکھاوے کے لئے نہ ہو۔ حضور کی عادت تھی کہ دل میں ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ اور اس اَمر کی طرف مجھے بھی توجّہ دلاتے کہ جب بھی فارغ ہو۔ یا سونے کے لئے لیٹو۔ تو دل میں ذکرِ الٰہی کیا کرو۔

میری تربیّت کا ہر چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی

خیال رہتا۔ لیکن ہر بات اتنے پیار سے اور نرم انداز سے کہتے کہ مجھے بُرا محسوس نہ ہوتا۔ جذبات کا خیال بہت باریکی سے رکھتے۔ بعض اوقات مَیں نے وہ بات محسوس بھی نہ کی ہوتی تھی لیکن حضور کو اس کا احساس ہوتا کہ شائد اس نے محسوس کیا ہو۔ اور پھر خود ہی اُس کا ازالہ کرنے کی کوشش فرماتے۔ زندگی کے ہر پہلو پر جب مَیں نظر ڈالتی ہوں تو یہی محسوس کرتی ہوں کہ حضور اس کے لئے میری کسی نہ کسی رنگ میں ضرور رہنمائی فرما گئے ہیں۔ شروع شروع میں جب مَیں نے گھر والوں سے اور دیگر لوگوں سے ملنا جلنا شروع کیا تو حضور نے مجھے نصیحت فرمائی کہ "دیکھو تکبّر نہیں کرنا لیکن وقار سے رہنا۔"

پَردہ کا انتہائی اہتمام

پَردے کا انتہائی خیال تھا۔ اور اس ذمہ داری کا احساس مجھ میں پیدا فرماتے تھے کہ جماعت کی عورتوں کے لئے تم نے ایک نمونہ بننا ہے۔ چنانچہ شادی سے پہلے اگرچہ پَردہ تو مَیں کرتی تھی لیکن وہ اتنا مکمل نہ تھا جتنا کہ اُسے حضور کے نزدیک ہونا چاہیئے تھا چنانچہ شادی کے بعد مَیں پہلی دفعہ جب اپنی امّی کی طرف گئی تو واپسی پر حضور ساتھ تھے۔ مَیں پردے کے لئے عینک کا استعمال نہ کرتی تھی۔ حضور فرمانے لگے "تمہاری عینک کہاں ہے؟" مَیں نے کہا "وہ تو گھر ہے"۔ فرمانے لگے اچھا پھر دونوں نقاب گرا لو۔ اور پھر جب ہم پہلی بار اسلام آباد گئے تو حضور نے خود پسند فرما کر میرے لئے گہرے رنگ کے شیشوں والی عینک بنوائی اور اس بات کا خاص خیال رکھا کہ کہیں اس میں سے آنکھیں نظر تو نہیں آتیں۔

دستانوں کے متعلق مجھ سے فرمانے لگے کہ حضرت سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ (نور اللہ مرقدہا) پردے کی خاطر دستانے پہنا کرتی تھیں۔ مجھ سے فرمایا کہ حمید (میرے بھائی جو انگلینڈ میں قیام پذیر ہیں) سے کہو کہ وہ تمہارے لئے دستانے لے کر ائرپورٹ پر پہنچے۔"

پردے کا اتنا زیادہ خیال تھا کہ مَیں جب درزی سے اپنے کپڑے سلوانے کے لئے نمونہ دیکھ رہی ہوتی تو اس وقت بھی یہی فرمایا کہ ایسے ڈیزائین ہونے چاہئیں جن سے کسی قسم کی بھی بے پردگی نہ ہو۔

اعلیٰ ترین تربیّت کی کوشش

غرض یہ کہ میری اعلیٰ ترین تربیّت کا ہر وقت خیال رہتا۔ ایک دن ازراہِ حوصلہ افزائی فرمانے لگے۔ "مَیں اس ہیرے کو ہزاروں پہلوؤں سے اس طرح چمکانا چاہتا ہوں کہ دُنیا جس طرف سے دیکھے اس میں چمک ہی چمک نظر آئے۔" پھر فرمانے لگے "میری یہ خواہش ہے کہ تاریخ یہ لکھّے کہ اس شخص کی زندگی میں دو عورتیں آئیں اور وہ دونوں ہی عظیم تھیں۔" مَیں سوچتی ہوں اگر ہر خاوند کے دل میں اتنی اعلیٰ اور ارفع خواہشات اپنی بیوی کی تربیت کے لئے پیدا ہو جائیں تو پھر عورتوں کی تربیت کا تو مسئلہ باقی ہی نہ رہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ عورت کی فطرت میں بنیادی طور پر یہ بات موجود ہے

کہ وہ اپنے خاوند کو اپنے سے خوش دیکھنا چاہتی ہے۔ اور اگر وہ اُسے صحیح اور بھرپور پیار دے تو یقیناً وہ اُس کی خوشی کی خاطر اس کی ہر بات ماننے کو تیار ہوجاتی ہے۔ پھر یہ آگے مرد کا کام ہے کہ وہ اس کو صحیح راستے کی طرف راہنمائی کرے۔ الرجال قوامون علی النساء کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔

چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی بہت خیال رکھتے۔ اگر ضمناً بھی مَیں کسی خواہش یا پسند کا اظہار کرتی تو آپ اُسے پُورا فرماتے۔ ناشتے پر آپ کا معمول تھا کہ مجھے اپنی گذشتہ زندگی میں پیش آنے والے مختلف مشکلات کے دنوں میں اپنا اور حضرت سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ نوّر اللہ مرقدہا کا کردار واقعات کی شکل میں بتاتے تھے۔

غیر معمولی قوتِ مشاہدہ

حضور نے اپنی قوتِ مشاہدہ کو غیر معمولی حد تک ترقی دی ہوئی تھی۔ باتوں کے دوران اگر کھڑکی سے باہر درخت کا کوئی پتّہ بھی گرتا ہُوا نظر آتا تو حضور اُسے نوٹ فرماتے اور میری توجہ بھی اُس کی طرف مبذول کراتے۔ ایک دن باہر گملوں میں لگے للّی کے پھُولوں کی طرف مجھے متوجہ کیا۔ مَیں نے کہا "سارے سفید رنگ کے ہی ہیں"۔ اگلے ہی روز جب دوبارہ ناشتہ کرنے لگے تو مجھ سے فرمایا کہ "باہر دیکھو" سُرخ للّی کے خوب صورت پھُول سفید پھُولوں کے درمیان رکھے ہوئے تھے جو کہ بہت اچھے لگ رہے تھے۔ فرمانے لگے "ان لوگوں کو رکھنے نہیں آتے۔ مَیں نے کہہ کر یہ سرخ پھُولوں کے گملے بھی رکھوا دیئے ہیں"۔

لطیف مزاح

ایک مرتبہ شروع شروع میں مَیں نے حضور کو اپنے ہوسٹل میں رہائش کے زمانے کی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ہم فائنل ایئر میں اکثر رات کو ایک ایک بجے مل کر تربوز کھایا کرتی تھیں۔ تربوز ویسے بھی مجھے بہت پسند ہے۔ حضور نے اسے یاد رکھا۔ اکثر ذکر فرماتے کہ اِنہیں تو رات کے ایک بجے تربوز کھانے کی عادت ہے۔ وفات سے دو یا تین روز پہلے رات کے قریباً گیارہ بجے مَیں تربوز کھا رہی تھی۔ حضور کی طبیعت میں مزاح کا پہلو بہت تھا۔ ہلکی سی آنکھ کھولی۔ دیکھ کر مسکرائے اور فرمانے لگے " ایک بج گیا؟ میں نے تو اپنی گھڑی کا وقت ٹھیک کرنا تھا"۔

معمولی سی تکلیف کا بہت زیادہ احساس

معمولی سی تکلیف اور دُکھ کا بہت زیادہ احساس فرماتے اور خیال کرتے۔ ایک دفعہ رات کے وقت بیٹھے ڈاک دیکھ رہے تھے۔ میری طبیعت تھوڑی سی خراب ہوئی۔ معدے میں جلن تھی۔ مَیں نے کوئی خاص پرواہ نہ کی۔ ایسے ہی بیٹھے بیٹھے ذکر کیا تو حضور فوراً اُٹھے اور مجھے ہومیوپیتھک دَوا دی۔ دس دس منٹ بعد تین خوراکیں دیں۔ اور چہرے پر فکر کا تاثر۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دریافت فرماتے کہ اب ٹھیک ہو۔ میں حیران تھی۔ نصف گھنٹے میں بالکل ٹھیک ہوگئی۔

گھوڑے کی سواری

گھوڑے کی سواری کا مجھے بچپن سے ہی بہت شوق تھا۔ میں نے حضور سے ذکر کیا۔ چنانچہ ایک روز شام کے وقت حضور مجھے اپنے ساتھ اصطبل میں لے کر گئے اور سب گھوڑے باری باری دکھائے۔ گھوڑوں سے بے انتہا پیار فرماتے تھے۔ ہر ایک سے یوں پیارے باتیں کرتے جیسے کسی انسان سے بات کر رہے ہوں۔ سب کو باری باری اپنے ہاتھ سے چارہ بھی کھلاتے اور پھر دو بہترین عرب گھوڑوں پر سوار سے سواری کروا کر دکھائی۔ میں نے ایک عربی گھوڑے کی خاص نمایاں بات جو اس وقت مجھے نظر آئی عرض کی۔ چند دن بعد حضور عربی گھوڑوں پر لکھی ہوئی ایک انگریزی کتاب مجھے دکھانے لگے مصنف نے عرب گھوڑے کی اُسی نمایاں خوبی کا ذکر کیا ہوا تھا۔ پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے "دیکھو اس نے بھی تمہارے والی بات لکھی ہے۔" پھر ایک روز مجھے گھوڑوں سے متعلق ایک کتاب میں سے مضمون نکال کر دیا جو کہ ایک لڑکی کی کہانی تھی۔ حضور کو جو بات اس میں پسند تھی اور جس کی خاطر مجھے اس مضمون کو پڑھنے کے لئے دیا وہ اس لڑکی کے ارادے کی پختگی اور استقلال اور محنت تھی۔ ۱۵ منٹ مجھے دیئے کہ ان میں اس مضمون کو ختم کرو۔

بچّوں سے پیار اور تربیت کا خاص انداز

بچّوں کی تربیت بڑے ہی خوبصورت انداز سے کی ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضور اور حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا کی مشترکہ محنت تھی۔ بہرحال شادی کے بعد جب میں یہاں آئی تو میں نے یہ بات خاص طور پر دیکھی کہ بچے بڑوں کا انتہائی ادب کرتے ہیں اور ان میں کہنا ماننے کی بہت عادت ہے۔ بچّوں سے ان باتوں کی امید اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک اُن کے ساتھ شفقت کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ اگرچہ بعض اوقات سختی بھی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اصل طریقہ محبت و پیار ہی ہے۔ حضور بچّوں کے ساتھ بے انتہا محبت فرماتے تھے۔ آخری علالت سے چند روز پہلے "بیلا" (بنت صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب) حضور کی پنڈلیاں دبا رہی تھی۔ میں نے کہا آج بیلا ناراض ہے اور اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ اس کا آج چینی کھانا کھانے کو دل کر رہا تھا اور امّی ابّا نے اس کی بات نہیں مانی۔ حضور مسکراتے ہوئے فرمانے لگے بالکل ٹھیک کیا۔ مجھ سے فرمایا کہ یہ تو میری سب سے لاڈلی پوتی ہے اور پھر اگلے روز حضور نے اپنے دستِ مبارک سے روپے دیتے ہوئے فرمایا کہ سب بچّوں کو چینی کھانا کھلا کر لاؤ۔

آخری علالت کے دنوں میں سب چھوٹے بچّوں کو گھر کے نچلے حصّہ میں رکھا ہوا تھا۔ تاکہ اُن کے شور سے حضور کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے "میری چڑیوں کو کہاں بند کر دیا ہے۔ میں ان کے شور کے لئے اداس ہو گیا ہوں۔" اور پھر سب بچّوں کو بُلوا کر اُن سے ملے اور لقمان سے کہا کہ انہیں

CHOC KAR کھلاؤ اور COCK پلاؤ۔

کھانے کے کمرے میں آتے جاتے وقت اکثر ہی عثمان (مرزا لقمان احمد صاحب کے بیٹے) کے کمرے میں چلے جاتے اور کچھ دیر اس سے پیار کرتے۔ اس کی صحت کا غذا کا، اور دوسرا ہر طرح سے خیال ماں باپ سے بھی زیادہ کرتے۔ آخری دفعہ اسلام آباد میں قیام کے دوران عثمان کی طبیعت فلو سے کافی ناساز ہو گئی۔ حضور نے اسے اپنے کمرے میں بلوا لیا اور اپنے بستر پہ لٹا کر خود پاس بیٹھ گئے۔ ہومیو پیتھک دوائیں بھی دیں اور ساتھ ساتھ اس کے لئے دعائیں بھی فرماتے۔ چند منٹوں میں ہی اس کی طبیعت بہتر ہونے لگی۔ حضور نے مسرت سے میری طرف دیکھا اور فرمانے لگے دیکھو اس کی آنکھوں کی سُرخی کم ہو گئی ہے۔ پھر بعد میں بھی خود یاد کروا کر اس کے لئے دوائی اپنے دست مبارک سے دیتے تھے۔

افرادِ جماعت سے بے انتہا محبّت

ایک عام انسان کے اہلِ خانہ سے مراد تو وہی افراد لئے جاتے ہیں جن سے اُن کا جسمانی رشتہ ہوتا ہے۔ لیکن خلیفۂ وقت کے اہلِ خانہ میں اس کی رُوحانی اولاد بھی شامل ہوتی ہے۔ افرادِ جماعت کے ساتھ حضور کو جو بے انتہا محبت اور پیار تھا۔ اس کا ایک وافر حصّہ تو مَیں نے بھی شادی سے پہلے حاصل کیا ہُوا تھا۔ لیکن اس کی اصل کیفیّت کا اندازہ مجھے شادی کے بعد ہی ہُوا۔ اور اس محبت اور پیار کا مکمل اظہار کرنے سے میرا قلم قاصر ہے۔ اور اظہار کرنے کی چنداں ضرورت بھی نہیں کیونکہ ہر مخلص فردِ جماعت کا دل خود ہی اس بات کو جانتا ہے کہ حضور نے اُس سے کس قدر محبت فرمائی۔

جماعتی کاموں میں انہماک

جو وقت جماعتی کاموں کے لئے مخصوص ہوتا اُسے گھر والوں کو ضائع کرنے کی اجازت نہ تھی۔ بارہا مجھ سے فرمایا کہ جب میں جماعتی کاموں میں مصروف ہوتا ہوں تو اس وقت مجھے تمہارا خیال تک نہیں آتا بلکہ کسی اور بات کا بھی خیال نہیں آتا۔

ایک روز مَیں نے سنگھار میز کو صاف کرتے ہوئے حضور کے عطروں کی شیشیوں کی ترتیب ذرا بدل دی۔ فرمانے لگے دیکھو آج تم نے میرے دس سیکنڈ ضائع کر دیئے۔ مجھے اپنا عطر ڈھونڈنے میں فالتو دس سیکنڈ لگے۔ ترتیب سے خیال آیا کہ حضور اپنی چھوٹی چھوٹی چیزوں اور ہر دوائی کو ایک خاص ترتیب سے رکھنے کے عادی تھے۔ آخری علالت میں بھی لیٹے ہوئے مجھ سے فرماتے کہ میری فلاں دوائی فلاں لائن میں اتنے نمبر پہ ہے۔ وہ دے دو۔ میں بہت حیران ہوتی کہ اتنی شدید بیماری میں بھی حضور کو پُورا علم ہوتا تھا کہ اپنی کونسی دوائی کس ترتیب سے کس جگہ رکھی ہوئی ہے۔

دس، پندرہ منٹ بھی اگر کسی کام کے دوران فارغ ملتے تو انہیں ضائع نہ فرماتے اور اس دوران اپنی ڈاک کا کچھ حصّہ دیکھ لیتے۔ ڈاک دیکھنے کے دوران خطوط لکھنے والوں کے لئے دُعا بھی فرماتے

جاتے ۔ اس دفعہ اسلام آباد میں ہی ایک دن شام کے وقت ڈاک ملاحظہ فرما رہے تھے ۔ غالباً وہ ۳۰ مئی کی شام تھی ۔ جب آپ ڈاک دیکھ رہے ہوتے تو مجھ سے فرماتے کہ اس دوران مجھ سے کوئی بات نہ کرنا ۔ اُس وقت آپ طالب علموں کی ڈاک کی فائل دیکھ رہے تھے ۔ کوئی بات شروع ہوگئی ۔ حضور نے اپنی توجہ فوراً دوبارہ ڈاک کی طرف مبذول کر لی اور فرمانے لگے " تو تم نے مجھے باتوں میں لگا دیا مَیں تو اس وقت اُن کے لئے دُعا کیا کرتا ہوں " اور پھر دوبارہ خاموشی سے ڈاک دیکھنے اور دُعا فرمانے میں مشغول ہوگئے ۔

آقا اور غلاموں کے درمیان دو طرح کا تعلق ہو سکتا ہے ۔ ایک تو وہ ظاہری عزت اور احترام جو کہ ایک غلام اپنے آقا کی کرتا ہے اور دوسرا وہ بیکراں پیار جو غلام کے دل میں اس وقت ٹھاٹھیں مارتا ہے جب آقا اُس سے بے انتہا محبت کرتا ہے ۔ وہ پیار اتنا بے لوث اتنا پاک اور اتنا سچا ہوتا ہے کہ اُسے دُنیا کسی بھی قیمت پر خرید نہیں سکتی ۔ اور نہ ہی اس پیار کا نعم البدل کہیں اور نظر آتا ہے ۔

"جماعت مجھ سے بہت پیار کرتی ہے"

افرادِ جماعت کو جو دلی محبت اور پیار حضور سے تھا ۔ آپ کو اس کا گہرا احساس تھا ۔ اور اس احساس سے لذت بھی محسوس فرماتے تھے ۔ بارہا مجھ سے فرمایا " جماعت مجھ سے بہت پیار کرتی ہے "

۳۱ مئی کو جب اچانک حضور کی طبیعت بہت زیادہ ناساز ہوگئی تو اُس وقت بھی جبکہ کمزوری اور سانس کی شدید تکلیف کے باعث بات کرنا بھی دشوار تھا حضور نے فرمایا " الفضل میں میری صحت کے متعلق ایک بلیٹن شائع کروا دو ۔ جماعت کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کر دو ۔ لیکن EXAGGCRATION نہ ہو ۔ اتنا پیار کرنے والی میری جماعت ہے "

افرادِ جماعت کو جو دلی محبت اور پیار حضور سے تھا ۔ آپ کو اُس کا گہرا احساس تھا ۔ اور اس احساس سے لذت بھی محسوس فرماتے تھے ۔ بارہا مجھ سے فرمایا " جماعت مجھ سے بہت پیار کرتی ہے "

اس وقت انہیں اس بات کی پرواہ نہ تھی کہ فلاں رشتہ دار کو خبر کر دو یا فلاں دوست کو ۔ بلکہ خیال تھا تو صرف اپنی پیار کرنے والی جماعت کا ۔

سوچتی ہوں جماعت کو جو بے انتہاء پیار حضور سے تھا اور ہے اس کے اظہار کا ایک طریق تو یہ ہے کہ وہ آپ کا ذکر محبت و پیار سے کرتی رہے ۔ لیکن دوسرا طریق جو کہ اصلی اور حقیقی طریق ہے وہ یہی ہے کہ جماعت اُن تمام خواہشات اور امیدوں کو پورا کرے جو حضور کو اُن سے وابستہ تھیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا کرنے کی توفیق بخشے آمین ۔

چھپ گیا آنکھوں کا تارا دیکھتے ہی دیکھتے

مکرم محمد ابراہیم صاحب شاؔد - چک چہور ضلع شیخوپورہ

ہو گیا رخصت پیارا دیکھتے ہی دیکھتے
چھپ گیا آنکھوں کا تارا دیکھتے ہی دیکھتے

کاتبِ تقدیر کی تقدیر پُوری ہو گئی
ہے وہ جنّت کو سدھارا دیکھتے ہی دیکھتے

دے کے ہم کو قلبِ مضطر سوزِ پنہاں چشمِ تر
کر گیا ہے وہ کنارا دیکھتے ہی دیکھتے

اِنَّا لِلّٰہ - ہو گیا اوجھل ہمیشہ کے لئے
ناگہاں آقا ہمارا دیکھتے ہی دیکھتے

ہو گیا رُوپوش خود دے کر محبّت کا پیام
قومِ احمد کا دُلارا دیکھتے ہی دیکھتے

"عاجزانہ راہیں" اس کے پیار کی آئیں پسند
ہو گیا اللہ کو پیارا دیکھتے ہی دیکھتے

ہو گیا ہے بالیقیں اس کی مساعی سے بلند
احمدیّت کا منارا دیکھتے ہی دیکھتے

تا ابد روشن رہیں گے دِل میں یادوں کے چراغ
دل ہؤا روشن ہمارا دیکھتے ہی دیکھتے

حق تعالیٰ کی رضا جوئی میں سب رنج والم
کر لیا ہم نے گوارا دیکھتے ہی دیکھتے

خوف کی حالت بدل دی ہے خدا نے امن سے
ہاتھ خود پکڑا ہمارا دیکھتے ہی دیکھتے

اپنے بندوں کی دُعائیں کے خدا نے عرش سے
ہے سکونِ دل اتارا دیکھتے ہی دیکھتے

آرزوئے دِل صدا بن کر زباں پر آگئی
ہو گیا حق آشکارا دیکھتے ہی دیکھتے

پھر خلافت کے اُفق پر ہو چکا ہے رُونما
نُورِ حق کا اِک سِتارا دیکھتے ہی دیکھتے

نُصرتِ ربِّ جہاں سے بر مَلا ہم کو مِلا
حضرتِ "طاہر" سہارا دیکھتے ہی دیکھتے

کر دیا ہے دستِ قُدرت نے بوقتِ انتخاب
جانبِ "طاہر" اشارا دیکھتے ہی دیکھتے

ابرِ رحمت سے ہؤا ہے لاجَرم شاداب پھر
گلستاں سارے کا سارا دیکھتے ہی دیکھتے

عہدِ بیعت کر کے ہم نے پھر امامِ وقت سے
اپنا سب کچھ ہے سنوارا دیکھتے ہی دیکھتے

چشمِ ما روشن - دلِ ما شاد از فضلِ خُدا
تمکِنت شُد دینِ مارا - دیکھتے ہی دیکھتے

خلافتِ ثالثہ کا بابرکت دَور

(حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ مدّ ظلہا العالی)

آپ کا دَورِ خلافت دو صدیوں پر محیط نظر آتا ہے اسی لئے خلیفۂ ذوالقرنین کہلائے۔ آپ کی کامیابیوں کا دائرہ وسیع و عریض تھا۔ افریقہ سے سپین تک۔ اور پھر امریکہ اور کینیڈا تک۔ اس کی مختصر سی وضاحت اس مضمون میں کی جاتی ہے۔

بلاشُبہ دَورِ خلافت ثالثہ مجموعی طَور پر جماعتی ترقی کے لحاظ سے بہ ہر عنوان ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہا۔ زمانہ کے تقاضا کے مطابق اللہ تعالےٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے۔ اسلام کی ترقی کے لئے۔ خدا تعالےٰ کے کلام کو ساری دُنیا تک پہنچانے کے لئے نئی نئی سکیمیں سوچیں۔ نئی نئی تدبیریں عمل میں لائی گئیں۔ تعلیم کو عام کرنے اور اس کے حصُول کے لئے کونسی تدبیر عمل میں نہ لائی گئی۔ تعلیم کو عام کرنے کیلئے اور جماعت کے طلباء کو شوق دلانے کے لئے اپنے ساتھ براہِ راست خط و کتابت سے رابطہ قائم کروانا۔ اور پھر اعلیٰ اور امتیازی نتائج پر انہیں گولڈ میڈل سے نوازنا۔ یہ سب کام آپ نے براہِ راست اپنے ذمّہ کس خوُبی اور خوش اسلوبی سے لیا۔ اور ان پر کما حقہٗ عمل کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا وجود۔ لاریب ایک زندہ و تابندہ نشان تھا۔ کیونکہ آپ کی خلافت کا ظہور گذشتہ پیشگوئیوں کے عین مطابق تھا۔ حضرت مسیح الزماںؑ کو اِنّا نبشّرکَ بغلامٍ نافلۃً لکَ کے الفاظ میں اللہ تعالےٰ نے خوشخبری دی۔ پھر خود حضرت مصلح موعود کی وہ پیشگوئی بھی حرف بہ حرف پُوری ہوئی جو کہ حضرت خلیفہ ثالث کے متعلق تھی کہ آپ کی مخالفت کرنے والے ناکام و نامراد رہیں گے۔

جماعت کے ہر فرد نے ان الٰہی بشارتوں اور خدائی وعدوں کو اپنی آنکھوں سے پُوری ہوتے دیکھا۔ آپ کا سترہ سالہ دَورِ خلافت بفضلہٖ تعالےٰ ہر جہت سے جماعتی ترقی کا حسین اور سنہری دَورِ خلافت رہا۔ بہت سی مساجد تعمیر ہوئیں۔ کئی نئے مشن قائم ہوئے۔ تعلیمی، تربیتی، انتظامی مالی ضروریات کی تکمیل کے لئے بہت سی انقلابی تحریکات ہوئیں۔ مثلاً فضل عمر فاؤنڈیشن۔ تعلیم القرآن۔ وقفِ عارضی۔ نصرت جہاں آگے بڑھو۔ صد سالہ جوبلی۔ عظیم تعلیمی سکیم۔ پھر وقفِ جدید میں دفتر اطفال اور غیر مسلموں میں تبلیغ کا اجراء۔ مالی لحاظ سے اللہ تعالےٰ نے آپ کے اس دَور

میں جماعت کو وہ برکت اور وسعت دی کہ انجمنہائے احمدیہ اور دوسری تحریکات کے بجٹ لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں تک پہنچ گئے۔

اشاعت اسلام کے لئے مختلف ممالک میں بیرون پاکستان کے دورے شاندار کامیابی کا نشان ہیں۔ آپ نے بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے ان کو آنے والی تباہی سے ہوشیار کرتے ہوئے انہیں خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی اور بنی نوع انسان کو باہم محبت و پیار کا پیغام دے کر تمام انسانیت میں گورے اور کالے کی تمیز اور مشرق و مغرب کے امتیاز کو ختم کرنے کا پرچار کیا۔ اپنی جماعت کی فلاح و بہبود اور اس کی عظمت و رفعت کے لئے اُسے کئی ماٹو (MOTO) دیئے۔ جیسے "ہمیشہ مسکراتے رہو"۔ "محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں"۔ "وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو"۔ اور پھر "تعلیم القرآن" "عمل بالقرآن اور اشاعت قرآن"۔ وغیرہ۔

آپ کا دورِ خلافت بلاشبہ ہر لحاظ سے ترقی کا دور تھا۔ ایک سو چھیاسی نئی مساجد کی تعمیر ہوئی۔ نو ممالک میں مشن کھولے گئے۔ افریقہ میں متعدد ہسپتال اور سکول کھولے گئے۔ بیرونِ پاکستان بہت بڑی جماعتیں قائم ہوئیں۔ فضل عمر فاؤنڈیشن آپ کی پہلی تحریک تھی۔ جو کہ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے ہے جو حضرت مصلح موعود نے شروع کئے تھے۔ اور وہ تشنۂ تکمیل تھے۔ فضل عمر فاؤنڈیشن کے دفتر کا وجود۔ خلافت لائبریری کی عمارت۔ گیسٹ ہاؤسز کی تعمیر۔ اور سیدنا حضرت مصلح موعود کے خطبات عیدین۔ نکاح اور آپ کی سوانح کی اشاعت یہ سب کام حضور کے عہدِ خلافت میں ہوئے۔

مغربی افریقہ کا دورہ نصرت جہاں ریزرو فنڈ سکیم کے اجراء کا موجب بنا اور LEAP FORWARD پروگرام تھا جو افریقہ کے باشندوں کی فلاح و بہبود کے لئے بنا اور اس پر آج تک عمل ہو رہا ہے۔ اس کے تحت نائیجیریا میں چھ میڈیکل سنٹر۔ دس سکول۔ غانا میں پانچ میڈیکل سنٹر۔ چھ سیکنڈری سکول۔ لائبیریا میں ایک میڈیکل سنٹر اور سیکنڈری سکول۔ گیمبیا میں چار نئے میڈیکل سنٹر۔ سیرالیون میں چار میڈیکل سنٹر سات سیکنڈری سکول قائم ہوئے۔ پھر تحریک جدید کے دفتر سوم کا اجراء۔ وقفِ جدید دفتر اطفال کا اجراء۔ رسومات کے خلاف جہاد۔ تحریک صد سالہ جوبلی فنڈ۔ قرآن مجید کی کثیر اشاعت۔ اس کے متعلق تو آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت بھی دی گئی تھی کہ آپ کی خلافت میں قرآن مجید کی اشاعت بہت زیادہ ہوگی۔ چنانچہ چھ زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ ہوا۔ فرنچ اور ڈینش زبان میں ہوٹلوں میں اور لائبریریوں میں ہزاروں کی تعداد میں قرآن کریم کے نسخے رکھوائے گئے۔ ہر ملک میں فولڈرز کی اشاعت ان کی زبان میں کی گئی۔ جس سے احمدیت کا تعارف مختصراً ان کی زبان میں ہوا۔ تحریک صد سالہ جوبلی فنڈ کے تحت تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لئے ایک جامع منصوبہ کے تحت تمام ممالک میں مشنوں کا قیام۔ مساجد کی تعمیر۔ قرآن کریم کے تراجم۔ کئی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت سویڈن۔ ناروے۔ سپین میں مساجد تعمیر ہوئیں۔ انگلستان میں پانچ نئے مراکز تھے۔ جاپان میں نیا مشن ہاؤس۔

کیلگری (کینیڈا) میں مسجد اور دار التبلیغ کے لئے زمین۔ پھر کسرِ صلیب کانفرنس کا ۱۹۷۸ء میں لنڈن میں انعقاد۔ جو کہ عیسائیوں کو گویا ایک چیلنج تھا۔ جسے قبول کرنے کی انہیں جرأت نہ ہوئی۔

آپ کی ہر تحریک ایک منفرد اور اپنے اندر بھرپور افادیت کا حکم رکھتی ہے۔ آپ کے بعد بھی ان کا تسلسل جاری و ساری رہے گا۔ اور آنے والی نسلیں اس سے مستفید ہوں گی اور ان پر فخر کریں گی۔

آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ جو تاریخ اسلام میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا وہ آپ کا ساڑھے سات سو سال بعد سپین کی سرزمین پر مسجد بشارت کی بنیاد رکھنا ہے۔ اور خدا کے کمال فضل و احسان سے آپ نے اپنی زندگی میں ہی اس کی تعمیر کو بپایۂ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔ صرف اس کا افتتاح باقی تھا۔ یہ مسجد بشارت انشاء اللہ العزیز سپین اور بلادِ غربیہ میں اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی اور احیاءِ نو کا موجب ہوگی۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔ آنے والی نسلیں انشاء اللہ ابد الآباد تک آپ پر سلامتی بھیجتی رہیں گی۔ ساڑھے سات سو سال تک جس سرزمین پر کبھی خدا تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا۔ مسلمانوں کو جہاں سے بے دست و پا نشانۂ جور و ستم بنا کر زبردستی نکالا گیا۔ شدید ترین ظلم ان پر توڑے گئے۔ وہ سرزمین جہاں مسلمانوں کی اپنی حکومت تھی۔ جہاں بڑے بڑے مسلمان فلاسفرز اور سائنسدانوں نے جنم لیا۔ اسی سرزمین کو ظالموں نے تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ مسلمانوں کو نیست و نابود کیا۔ شرک و جور و ظلم نے امن و امان سکون صلح آشتی کی جگہ لے لی۔ اور مسلمانوں کا سپین قعرِ مذلت کے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ لیکن یہ سب کچھ آخر کب تک؟

۱۹۷۰ء میں خدا تعالیٰ کے اس مقرب بندہ نے اپنی بیقرار روح کے ساتھ تڑپ کر خدا کے حضور التجا کی۔ اور ہزاروں آنسوؤں کے نذرانے پیش کرتے ہوئے گڑگڑایا۔ کہ اے خدا! تو اس مسلمان قوم کے گناہ اور زیادتیاں معاف فرما۔ اس قوم کو اس کی کھوئی ہوئی وجاہت شان و شوکت دوبارہ عطا کر دے۔ آخر تو یہ لوگ تیرے نام لیوا ہیں۔ یہاں کوئی ایسی صورت پیدا کر جو تیرے نام کے جھنڈے کو بلند کریں۔ تیرے کلام کا چرچا کریں۔ تیرے حبیب نبیؐ کے نام کو روشناس کروائیں۔ یہاں ناقوس کی گھنٹیوں کی بجائے مساجد ہوں۔ جن کے میناروں سے پانچ مرتبہ تیرے نام کی بڑائی کا اعلان ہو۔ تیری یکتائی کا اعلان ہو۔ تیری واحدانیت کا اعلان ہو۔ تو مسلمانوں کی اس طول و طویل ساڑھے سات سو سالہ آزمائش کو اپنی رحمت اپنے حسن و احسان اور صفت رحیمیت و رحمانیت سے ختم کر دے۔ اور مسلمانوں کو اس سرزمین پر قدم رکھنے کی اجازت عطا کر۔ سو! اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں اور تضرعات کو سنا اور قبول فرمایا اور تسکین عطا کی کہ قبولیت کا ایک وقت مقدر تھا جو بہر حال ضرور پورا ہوگا۔ چنانچہ ۱۹۸۰ء میں وہ مقررہ ساعت آ گئی اور یوں دس سال بعد اس کے بابرکت ہاتھوں سے اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور اس مسجد کا سنگِ بنیاد غیر معمولی پرسوز دعاؤں، گریہ و زاری کے ساتھ رکھا گیا۔ اور آپ کی دعائیں آخری تکمیل تک

جاری وساری رہیں۔ یہاں تک کہ مسجد "بشارت" کی عمارت پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔

اور اے! میرے جانے والے محترم عزیز! میرے آقا! مجھے تیرے ہی ربّ کریم کی قسم۔ تیرے طاہر (ایدہ اللہ بنصرہ العزیز) نے حقِ جانشینی ادا کیا۔ اور خُوب ادا کیا۔ اس حد تک کہ اُس موقع پر دُعا کے اُس سوز وساز میں اُس کے رُوح وجسم تحلیل ہو ہو گئے۔ آنسوؤں کے مسلسل بہتے دھارے تھے۔ سسکیاں اور چیخیں تھیں۔ دُعائیں تھیں اور التجائیں تھیں درد وکرب میں ڈوبی ہوئی۔ ہزاروں پروانوں کی معیّت میں ان کے نالہ وشیون ان کی چیخ وپکار جو اس محبوب ومحسن خدا کے حضور تھی۔ ان سب کی التجاؤں کے ساتھ تیری مسجد "بشارت" کا حسین افتتاح تیرے طاہر (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) نے کیا۔ اور یقینِ کامل ہے کہ اس کی گریہ وزاری بار آور ہو گی سرزمین سپین میں موسلا دھار برسنے والے تمام تر آنسو موتیوں اور ہیروں کی صورت میں وجود میں آئیں گے۔ انشاءاللہ۔

اور ـــ! تیرے ربّ کی قسم میرے آقا! تیرے ان پروانوں نے تجھے بیقراری سے یاد کیا۔ تجھ پر سلام ورحمت کے نذرانے اَن گنت بھیجے۔ جن کا تسلسل جاری رہے گا۔

سلام۔ اور پھر سلام اور رحمت! تُو نے اپنے اس عہد کو خُوب نبھایا جو تو نے سیدنا حضرت مصلح موعود کے وصال پر اُن کے جسدِ مبارک کے سامنے کیا تھا۔ تُو نے اپنا مشن مکمل کیا۔ تُو نے ہمیں ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرتے ہوئے راہِ مستقیم پر رواں دواں کر دیا۔

آپ کی ذرّیت کے لئے یہی دُعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں آپ کی تمام صفاتِ حسنہ سے متصف کرے۔ وہ ساری دُنیا کے لئے ہدایت کا موجب ہوں آمین۔

لاکھوں دلوں کو دل سے رُلا کر چلے گئے

(محترم سید محمد احمد صاحب منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات)

اِک آگ سی دلوں میں لگا کر چلے گئے
اِک خواب دلنشیں سے جگا کر چلے گئے

گو چہ کہا تو تھا کہ بلاوہ ہے آگیا
ہم کو یقیں نہ آیا دلا کر چلے گئے

اپنے حساب سے ابھی باقی تھا وقت اور
کیسا یہ پیار تھا جو بھلا کر چلے گئے

ہم نے تو اپنی عمر بھی کر دی تیری نذر
پھر کیوں تم ہم سے آنکھ چُرا کر چلے گئے

ہم تم کو چاہتے تھے دل وجان سے عزیز
تم سب رفاقتوں کو بُھلا کر چلے گئے

پیارے نے جب بلایا تو جلدی کچھ ایسی کی
وعدے تم اپنے سارے بُھلا کر چلے گئے

شفقت کبھی نہ بُھولے گا تیری یہاں کوئی
لاکھوں دلوں کو دل سے رُلا کر چلے گئے

میرے پیارے بھائی جان

(حضرت صاحبزادی سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ بنت حضرت مصلح موعود۔ و بیگم حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب)

مدیرہ مصباح کا اصرار ہے کہ میں اس نمبر کے لئے ضرور کچھ لکھوں۔ گو میں اپنے میں اتنی ہمت نہیں پاتی مگر اُن کے بار بار اصرار پر اُن کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے چند سطور لکھ رہی ہوں۔

زمانہ کے بُعد کے ساتھ انسان اپنے ماضی کو بھولتا جاتا ہے۔ یہانتک کہ وہ ایک بھُولے ہوئے خواب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مگر بعض واقعات ایسے ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ پھر ماضی کے دھند لکے چھٹنے لگتے ہیں۔ اِس وقت میری بھی یہی حالت ہے جب دن کی تنہائیوں اور رات کی خاموشیوں میں آنکھیں بند کر کے تکیہ پر سر رکھتی ہوں تو وہ دھندلا ماضی روشن ماضی بن کر میرے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔

میں نے جب شعور کی عمر میں قدم رکھا تو اپنے سامنے ایک اَور بچہ دیکھا جو مجھے مسکراتی آنکھوں اور ہنستے چہرے سے دیکھتا ہُوا اپنے بازؤں کے حصار میں لئے رکھتا اور میرے ساتھ کھیلتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ وہ میرے بغیر نہیں رَہ سکتا اور میں اس کا قُرب اپنے لئے ضروری سمجھتی وہ بچہ کون تھا۔ وہ میرا نہایت ہی شفیق اور چاہنے والا بھائی اور جماعت احمدیہ کا تیسرا خلیفہ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔

پھر میرے بھائی ہمارے گھر سے حضرت امّاں جان نوّر اللہ مرقدہا کے گھر برائے پرورش و تربّیت منتقل ہو گئے۔ کبھی بچپن میں زیادہ بیمار ہوتے تو امّی جان مرحومہ کے پاس بھیجدیئے جاتے ورنہ حضرت اماں جان کی زیر تربیت اور اُن کی نگرانی میں رہے۔ ایک واقعہ بچپن کا یاد ہے حضرت بھائی جان کی آنکھیں بہت دُکھنے آگئیں۔ اس وقت وہ امّی جان کے پاس آ گئے تھے۔ امّی جان دوائی ڈالنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر وہ قابو نہیں آ رہے تھے اور چارپائی کے نیچے گھُسے زور زور سے رو رہے تھے۔ امّی جان نے حضرت سیّدی ابّا جان رحمہ اللہ تعالیٰ کو کہلا بھیجا کہ "ناصر" آنکھوں میں دوائی نہیں ڈلوا رہا۔ آپ خود آکر دوائی ڈالیں۔ حضرت سیّدی ابّا جان تشریف لائے بھائی جان کو (جن کو میں "بائی" ہی کہتی تھی اور اس وقت تک "بائی" ہی کہتی رہی ہوں۔ غالباً اس کی یہ وجہ ہوگی کہ مُنہ پر بھائی نہیں چڑھتا ہوگا۔ بہرحال "بائی" کا لفظ مجھے بہت ہی پیارا تھا۔ ہے۔ اور رہے گا۔) چارپائی کے نیچے سے کوشش کر کے نکالا اور اُن کی آنکھوں میں دوائی ڈالی۔ میں آنکھوں میں آنسو لئے پلنگ کی پٹی پکڑے

کھڑی تھی ۔ اور یہ ناگوار محسوس ہو رہا تھا کہ کیوں سیدی حضرت ابا جان اور امی جان باجی کی آنکھوں میں دوائی ڈال رہے ہیں ۔

سیدی حضرت ابا جان نے مجھے اور حضرت بھائی جان کو مکرمی محترمی قاری یاسین صاحب مرحوم کے ہاں قرآن مجید پڑھنے کے لئے بھجوانا شروع کیا ۔ جہاں ہم دونوں اکٹھے جاتے ۔ کبھی اکٹھے واپس آتے کبھی میں پہلے واپس آجاتی کیونکہ میں کم پڑھتی تھی ۔

پھر حضرت بھائی جان کو قرآن مجید حفظ کراتے کے لئے حافظ صاحب مقرر کر دیئے گئے اور دوسری پڑھائی بھی ساتھ ہی شروع ہو گئی ۔ میں حضرت امی جان کے مکان کے صحن میں شاہ نشین پر جس پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں حضرت بھائی جان کو دیکھنے کے لئے کھڑی رہتی تاکہ جب وہ باہر سے آئیں تو مجھے پتہ لگ جائے کہ آگئے ہیں جب وہ آتے تو کبھی وہ حضرت اماں جان کے مکان سے جو ہمارے مکان سے ملحق تھا ۔ ہمارے ہاں آجاتے کبھی میں اُن کے پاس چلی جاتی ۔ کبھی کبھی چھٹی کے دن وہ مجھے ساتھ لیکر بھینی کی طرف یا " باددوں کے باغ " کی طرف شکار کے لئے بھی لے جاتے ۔ ہوائی بندوق اور غلیل سے خود شکار کرتے اور مجھ سے نشانہ لگواتے ۔ اسی طرح ہم لڑکپن کی حدود بھی پھلانگ گئے ۔

بھائی جان کی طبیعت میں مزاح بہت تھا ۔

حضرت اماں جان حضرت بھائی جان سے بہت محبّت کرتی تھیں اور بہت خیال رکھتی تھیں ۔ کھانے کے اوقات کا ۔ اُن کے آرام کا اور ساتھ ہی تربیت کے پہلو کو نظر انداز نہ کرتیں ۔ تعلیم سیدی حضرت ابا جان کی منشاء کے مطابق جاری رہی ۔

بچپن سے ہی جماعتی کاموں میں دلچسپی لینتے اور ہر موقعہ پر جب بھی سلسلہ کے کسی کام کے لئے ضرورت ہوتی خدمت میں لگ جاتے ۔ خدا تعالیٰ نے ابتداء سے ہی دین کی خدمت کا شوق اور بے لاگ جذبہ دل میں پیدا کیا تھا وہ سلسلہ اور اسلام کے جان نثار بہادر جری سپاہی تھے خطرات میں کود جانا اُن کے لئے معمولی بات تھی ۔

خلیفہ کی اطاعت و فرمانبرداری جزوِ ایمان تھا حضرت سیدی ابا جان کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتے اور اُن کے مقام کو اچھی طرح پہچانتے تھے یہاں باپ بیٹے کا سوال نہیں تھا بلکہ امام اور مرید کا معاملہ تھا ۔ اولاد بعض اوقات اپنے والدین سے شکوے شکایت بھی کر لیتی ہے ۔ مگر آپ کے مُنہ سے کبھی کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا جس میں شکوہ کا شائبہ بھی ہو ۔

بہت مہمان نواز تھے اس صفت میں اپنے عظیم باپ سے وافر حصہ لیا تھا ۔ غریب کی بھی میزبانی کرتے

بچپن سے ہی جماعتی کاموں میں دلچسپی لیتے اور اور ہر موقعہ پر جب بھی سلسلہ کے کسی کام کے لئے ضرورت ہوتی خدمت میں لگ جاتے ۔ خدا تعالیٰ نے ابتداء سے ہی دین کی خدمت کا شوق اور بے لاگ جذبہ دل میں پیدا کیا تھا وہ سلسلہ اور اسلام کے جان نثار بہادر جری سپاہی تھے ۔ خطرات میں کُود جانا ۔ اُن کے لئے معمولی بات تھی ۔

اور امیر کی بھی۔ اپنی آخری بیماری میں بھی جو عزیز یا غیر عیادت کو آتے یا وہاں پر رہ رہے تھے۔ اُن کے کھانے چائے وغیرہ کا پوچھتے رہتے۔ اور جو وہاں دن رات رہتے تھے اُن کے آرام کی تاکید کرتے کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ میں نے ایک دو مرتبہ کہا بھی "باجی" آپ خیال نہ کریں سب ٹھیک ہے جس سے وقتی طور پر مطمئن ہو جاتے۔ ایسے وقت میں جبکہ اپنی شدید بیماری اور خطرناک حالت کا بھی علم ہو چکا تھا۔ اپنے بجائے ہم لوگوں کے لئے فکر مند ہو جاتے۔ خدا تعالیٰ نے بہت فراخ دل عطا فرمایا تھا۔ بیماری میں بھی کوئی کرب اور گھبراہٹ نہیں۔ خاموشی دعاؤں میں لگے رہتے۔ جب کوئی اندر عیادت کے لئے جاتا مسکراتے چہرے اور مسکراتی آنکھوں سے بات کرتے۔ بجائے اپنا حال بتلانے کے اس کا حال پوچھنے لگتے۔

سوتیلے سگے میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سب سے یکساں سلوک تھا۔ بلکہ جو دوسری ماؤں کی اولاد سے بہن بھائی تھے اُن سے زیادہ ہی شفقت کرتے تھے ہاں جن کے ساتھ بچپن گزرا طبعاً اُن کے ساتھ زیادہ تعلق اور لگاؤ تھا مگر اسی حد تک جو بچپن کے ساتھی سے ہوتا ہے۔

نہایت محبت کرنے والے احساس و جذبات کا خیال رکھنے والے قدر دان شوہر تھے۔ اور بہت ہی پیار کرنے والے شفیق باپ۔

خلافت کے مقام پر متمکن ہونے کے بعد تو کاموں کی یلغار تھی۔ جماعتی بوجھ تھے جن کے نیچے آپ دبے ہوئے تھے۔ شائد کسی کا خیال ہو کہ خلافت پھولوں کی سیج ہے۔ نہیں۔ خلیفۂ وقت پر تو پریشانیوں اور فکروں کا بوجھ ہوتا ہے۔ اپنا دکھ اور یہ احساس کہ جو ذمہ داری خدا تعالیٰ نے ڈالی ہے۔ اگر اس کو میں صحیح طور پر ادا نہ کر سکوں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی ہو جائے تو خدا تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ جماعت کا فکر کہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ جماعت کے ہر فرد کے دکھ اور تکلیف کو محسوس کرنا۔ مسلمانوں کی زبوں حالی کا فکر۔ اسلام کا درد غرضیکہ خلیفۂ وقت کیا کیا دکھ اپنے سینہ میں سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ کوئی نہیں جان سکتا۔ کبھی کبھی دکھوں اور غم کے سائے آپ کے چہرے پر بھی نظر آتے مگر پھر طبعی مسکراہٹ میں تبدیل ہو جاتے۔

خیال بھی نہیں تھا کہ حضرت بھائی جان اتنی جلدی کا داغِ جدائی دے جائیں گے۔ کسے معلوم تھا کہ وہ اپنی نو بیاہتا دلہن کو تڑپتا چھوڑ کر اپنے محبوب و مولیٰ سے اتنی جلد جا ملیں گے۔

خدا تعالیٰ ہی اپنے خاص فضل و کرم سے عزیزہ طاہرہ صدیقہ کو اس عظیم صدمہ کے برداشت کرنے کی توفیق و طاقت بخشے جس نے اُن کے دل و روح کی ہر تار کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت بھائی جان کے بچوں کا بھی ہر آن خود حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔

میرے نہایت ہی پیارے اور محسن بھائی جان رحمہ اللہ تعالیٰ

(محترمہ صاحبزادی امۃ الباسط صاحبہ بنت حضرت مصلح موعود۔ بیگم سید داؤد احمد صاحب مرحوم و مغفور)

میرا دل ابھی تک اپنے پیارے بھائی جان کی وفات پر یقین نہیں کر رہا۔ مدیرہ مصباح کے اصرار پر اُن کے متعلق کچھ لکھنے لگی ہوں۔ کیونکہ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ میرے بھائی جان اپنے سب سے پیارے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یوں تو جب سوچنے لگتی ہوں تو بچپن سے لیکر اب تک کے ہزاروں واقعات یاد آتے ہیں مگر چند باتیں لکھنے کی کوشش کرتی ہوں۔ خدا کرے صحیح رنگ میں لکھ سکوں۔

مجھے وہ وقت کبھی نہیں بھولتا جب میرے ابا جان (حضرت مصلح موعود) کی وفات کے بعد میں اُن کے کمرے سے باہر نکلی تو سامنے بھائی جان کھڑے تھے۔ آپ کے چہرے پر بھی شدید دُکھ کے آثار تھے۔ آپ نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لگا لیا۔ اور میرے سر پر پیار کر کے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صدمہ بہت بڑا ہے مگر اس وقت ساری جماعت کے لئے بہت دُعاؤں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو ہر قسم کے انتشار سے بچائے اور ایک ہاتھ پر اکٹھا کرے۔ میرے آنسو رُک گئے اور میں جماعت کے لئے دُعا میں لگ گئی اور

یوں مجھے پہلا سبق اپنے ذاتی غم سے زیادہ جماعت کے ایک ہاتھ پر اکٹھے ہونے کا اور خلافت کی اہمیت کا دیا! (جس دن بھائی جان کی وفات ہوئی تو مجھے بار بار بھائی جان کے یہ الفاظ یاد آ رہے تھے اور میں مسلسل یہ دُعا کر رہی تھی کہ خدایا آج ہم پھر تیرے حضور حاضر ہیں۔ ہماری جماعت کو ایک ہاتھ پر اکٹھا رکھنا اور جو سبق مجھے تیرے اس پیارے بندے نے دیا تھا۔ اس کی اس تڑپ کو اس کے بعد بھی کوئی دھچکا ہماری طرف سے نہ لگے اور جو تیرے نزدیک جماعت کے لئے بہت ہی بابرکت وجود ہو۔ تو خود ہی اس کو کھڑا کر دے)۔ ابا جان کی وفات کے بعد جب تک خلافت کا انتخاب نہیں ہو گیا میں بے چینی کے ساتھ پھرتی کبھی ایک کمرے میں جاتی کبھی دوسرے میں۔ چین نہیں آ رہا تھا۔ میرے ابا جان کو اُوپر کے کمرے سے نیچے لے جا چکے تھے۔ ابا جان کا ایک کمرہ جو دفتر تھا وہ بند پڑا تھا۔ گھبرا کر اوپر گئی کہ شائد تنہائی ملے۔ اتنے میں بھائی جان کو دیکھا کہ اس کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آنکھیں صدمہ سے سُرخ مگر قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔ رات کو جب خلافت ثالثہ کا انتخاب ہو گیا تو بھائی جان اوپر تشریف لائے۔ آنکھیں

رونے کی وجہ سے سُوجی ہوئی تھیں۔ سب کھڑے ہوگئے
مَیں نے بھی کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر مجھ سے اُٹھا نہ
گیا۔ سیّدی بھائی جان میرے پاس آکر کھڑے ہوگئے
وہ انگوٹھی جو میرے ابّا جان (مصلح موعود) کی وفات کے
بعد سیّدہ حضرت چھوٹی آپا صاحبہ نے آپ کو دی تھی ذرا
تنگ تھی۔ کہنے لگے اس کا دھاگہ کوئی اتار دے۔ مَیں
نے جلدی سے کہا۔ مَیں اتارتی ہوں۔ میری طرف دیکھ کر
فرمانے لگے ہاں یہ لو۔ مگر شرط یہ ہے کہ دھاگہ مَیں واپس
لوں گا۔ مَیں نے کہا تھوڑا سا مجھے بھی دے دیں۔ کہنے
لگے ٹھیک ہے تھوڑا سا تم لے لینا۔ مَیں نے وہ دھاگہ
لے لیا۔ مگر پتہ نہیں کہ کہاں کھویا گیا۔ جس کا مجھے سخت
افسوس ہے۔ جب کبھی بھابی جان باہر جاتی تھیں مجھے
اپنے گھر چھوڑ کر جاتی تھیں کہ بھائی جان کا خیال رکھا
کرو۔ مگر میں تو کیا خیال رکھتی۔ بھائی جان میرا اتنا
خیال رکھتے تھے کہ شرم آنے لگتی تھی۔ خود چیزیں اُٹھا
کر دیتے تھے۔ بچّوں سے کہتے تھے۔ دیکھو پھوپھی کا
خیال رکھا کرو۔ کوئی تکلیف نہ ہو۔ وہ کیا کہیں گی کہ
بھائی کے گھر آئی ہوں اور بھائی نے خیال نہیں رکھا۔
رشتے کا بہت احترام رکھتے تھے۔ حضرت
پھوپھی جان یا چھوٹی آپا آتیں تو کھڑے ہوجاتے۔
بچّوں سے بہت ہی پیار کرتے تھے۔ چاہے
اپنے ہوں یا پرائے۔ بڑی سے بڑی مشکل اور تکلیف
میں بھی ہمیشہ مسکراتے رہے۔ اور کبھی اس کا اظہار
نہ کیا۔ رات کو دو دو بجے تک کام کرتے مگر کبھی
تھکان کا اظہار نہ کرتے۔ بھائی جان کی وفات کے

بعد جب مجھے پتہ چلا کہ بھابی جان فوت ہوگئی ہیں
تو جلدی سے بھائی جان کے پاس گئی کمرہ بھرا ہُوا
تھا۔ بھائی جان کرسی پر بیٹھے تھے مسکرا بھی رہے
تھے۔ آنکھوں میں نمی بھی تھی۔ مگر سب کو تسلّی دے
رہے تھے۔ آواز بھرائی ہوئی تھی مگر ضبط کر کے
مسکرانے لگتے تھے۔ اُن کی (میر داؤد احمد صاحب مرحوم کی) وفات
کے بعد تو میرا اور میرے بچّوں کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ
کوئی تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ میرے (بیٹے) کا رشتہ خود
طے کیا۔ جس طرح ایک باپ اپنے بچّوں کا کرتا ہے۔ نکّو
(میری لڑکی) کا نکاح ہے۔ آپ ہی اس کے ولی ہیں۔ یہ
کہتے کہتے میری آواز بھرّا گئی۔ مَیں بول نہیں سکی۔ بھائی
جان نے مُڑ کر دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں بھی نمی سی آگئی۔
کچھ دیر خاموش رہے۔ غالباً ضبط کر رہے تھے۔ پھر کہنے لگے۔
گھبراتی کیوں ہو۔ تمہارے بچّوں کا تو مَیں ولی ہوں۔ اس کے
بعد ندرت کے لئے خود ہی رشتہ منظور کیا۔ بھائی منوّر کو جو
منظوری کا خط دیا۔ اس میں بھی اُن کو نصیحت کی کہ خیال
رکھنا۔ شادی کے بعد جب ندرت رخصت ہوگئی۔ مَیں مہمانوں
کو چائے پلا رہی تھی کہ کوئی بھاگا ہُوا آیا کہ حضرت صاحب
تشریف لا رہے ہیں۔ مَیں جلدی سے گئی تو بھائی جان برآمدے
میں کھڑے تھے۔ فرمانے لگے۔ مَیں تو آیا تھا کہ تم اکیلی ہوگی۔
اداس ہوگی تو مَیں تمہارا دل بہلانے آیا تھا۔ مگر یہاں تو
بہت سے لوگ موجود ہیں۔ اس لئے مَیں چلتا ہوں۔ مَیں نے
کہا بھائی جان بیٹھیں۔ فرمانے لگے تم مہمانوں میں مصروف ہو
کام کرو۔

کتنا پیار دیا ہے میرے بھائی نے۔ کتنے احسان

کئے ہیں۔ جن کا بھلانا ناممکن ہے۔ آخری بیماری کے ایام میں مَیں بھی اسلام آباد تھی۔ ڈاکٹروں نے منع کیا ہُوا تھا زیادہ اندر جانے سے۔ تھوڑی دیر کے لئے چلی جاتی تھی۔ ہر ایک کا خیال رکھتے تھے۔ کون کون آیا ہے کہاں ٹھہرا ہے۔ کھانا ٹھیک سے کھایا۔ سونے کا کیا انتظام ہے وغیرہ۔

جس دن بھائی جان کی وفات ہوئی۔ اس دن بھائی جان کی طبیعت بظاہر بہت بہتر تھی۔ شکری (حضور کی بیٹی) کہنے لگی کہ ابّا! میں ربوہ جا کر آپ کی چیزیں لے آؤں۔ فرمانے لگے چلے جاؤ۔ شکری کہنے لگی۔ مَیں نے پیکنگ کرنی ہے۔ آپ ابّا کے پاس بیٹھ جائیں۔ اس دن میں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھی۔ باتیں کرتے رہے۔ پھر فرمانے لگے حنیف آیا ہے۔ اسے دل کی تکلیف ہے اسے تکلیف نہ ہو۔ اسے ٹھہرانے کا خاص خیال رکھنا۔ اور دیگر مہمانوں کا بھی۔ تھوڑی دیر کے بعد نبض پکڑتے تھے۔ اس وقت تک شکری اور مَیں دونوں بیٹھے تھے۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بھائی جان کی نظر پڑ گئی۔ مسکرانے لگے۔ بعد میں کسی نے بتایا کہ کہتے تھے کہ میرا دل ڈوب رہا ہوتا ہے۔ مگر اس خیال سے ہنستا رہتا ہوں کہ تم لوگ پریشان نہ ہو جاؤ۔ گیارہ بجے کے قریب مَیں اور آپا طاہرہ بیٹھے تھے ایک دم کھانسی آئی اور آنکھیں پلٹ گئیں۔ مَیں گھبرا کر باہر بھاگی۔ پاس ہی دروازے کے (ڈاکٹر) مبشر ٹیکہ تیار کر رہے تھے۔ مَیں نے کہا مبشر! جلدی اندر جاؤ۔ بھائی جان کو اچھو آیا ہے۔ مبشر اور ڈاکٹر نوری جلدی سے اندر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہنستے ہوئے باہر آ گئے اور کہنے لگے۔ پھوپھی! آپ تو یونہی گھبرا گئیں۔ ذرا سا بلغم آیا تھا۔ اب ٹھیک ہیں۔ اس کے ایک گھنٹہ بعد میرے بھائی جان ہمیں چھوڑ کر اپنے سب سے پیارے آقا کے حضور حاضر ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ یقین نہیں آتا تھا۔ اب بھی دل نہیں مانتا۔ مگر پھر اپنے مولا کی رضا پر راضی رہنا ہی پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بیشمار رحمتیں نازل ہوں۔ اس وجود پر جو اپنے، پرائے، دوست، دشمن سب کا ہمدرد اور غمخوار تھا۔ جس کے غیر بھی مداح تھے۔ مَیں بھائی جان کی وفات کے تقریباً ایک ہفتے کے بعد امریکہ جانے کے لئے روانہ ہوگئی۔ تین دن لندن ٹھہری۔ واپسی پر ایمسٹرڈم میں جہاز بدلنا تھا۔ چار پانچ گھنٹے ایمسٹرڈم ٹھہرنا تھا۔ میری چھوٹی بچی نصرت ساتھ تھی۔ مَیں نے شمسہ نصیرالدین سے ذکر کیا کہ پہلی مرتبہ تنہا سفر کر رہی ہوں۔ چار پانچ گھنٹے اکیلے بیٹھنا پڑے گا۔ وہ کہنے لگیں۔ میرا بیٹا طاہر اور اس کی بیوی وہاں ہیں۔ مَیں ان کو فون کر دیتی ہوں۔ وہ ایئر پورٹ پر آ جائیں گے۔ ایمسٹرڈم پہنچی تو ائیر پورٹ پر ایک عورت ملی۔ مجھے

> ایمسٹرڈم کی ایک عورت مجھے کہنے لگی مجھے بتاؤ کہ جب وہ فوت ہوئے تھے تو مسکرا رہے تھے۔ مَیں نے کہا کہ ہاں وہ مسکرا رہے تھے۔ کہنے لگی جب لوگوں نے مجھے ان کی وفات کا بتایا تھا تو مجھے یقین تھا کہ وہ مُسکراتے ہوئے ہی رخصت ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ مَیں نے اُن کو ہمیشہ مسکراتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔

کہنے لگی۔ چلو میرے ساتھ۔ وی۔ آئی۔ پی میں تمہارا انتظام کیا ہے۔ مَیں حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ سامنے دو برقعے میں عورتیں کھڑی تھیں۔ اور دو مَرد تھے۔ ناصر شمس صاحب۔ ان کی بیگم۔ مَیں گئی تو راستے میں مجھے وہ عورت کہنے لگی۔ تمہارے مشنری نے مجھے آج ہی بتایا ہے کہ تمہارے بھائی فوت ہو گئے ہیں۔ اور اُن کی بیگم بھی جس کا مجھے بے حد افسوس ہُوا ہے۔ وہ جب بھی آتے تھے مَیں سارا انتظام کرتی تھی۔

پھر ایمسٹرڈم کی یہ عورت مجھے کہنے لگی مجھے بتاؤ کہ جب وہ فوت ہوئے تھے تو مسکرا رہے تھے۔ مَیں نے کہا کہ ہاں وہ مُسکرا رہے تھے۔ کہنے لگی جب لوگوں نے مجھے ان کی وفات کا بتایا تھا تو مجھے یقین تھا کہ وہ مسکراتے ہوئے ہی رخصت ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ مَیں نے ان کو ہمیشہ مسکراتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔

اسی طرح سپین میں بھی عورتیں آئیں۔ گلے لگا کر پیار کرتی تھیں۔ آنکھوں میں دُکھ تھا۔ کچھ کہتی تھیں میری سمجھ میں اُن کی زبان نہیں آتی تھی۔ مَیں نے مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کی بیٹی سے کہا کہ وہ بتائیں یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کہہ رہی ہیں کہ ہمیں تمہارے بھائی کی وفات کا بے حد صدمہ ہُوا ہے۔ ہم اُن کو کبھی بھُول نہیں سکتے۔ جہاں جاتے تھے۔ لوگ ان کے پیار ان کی مسکراہٹ کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔ وہ تو ہم سے جُدا ہو گئے ہیں۔ مگر ہمیں اب ان کی اولاد کیلئے بہت ہی دُعائیں کرتی چاہئیں۔ جن کا باپ غیروں کو پیار اور دُعائیں دیتا تھا۔ آج وہ بظاہر ان کی دُعاؤں سے بھی اور پیار سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اُن کے لئے دُعائیں کرنے کی۔

بہنیں میرے اور میرے بچّوں کے لئے بھی دُعا کریں۔ ہم بھی ان دعاؤں اور پیار سے محروم ہو گئے ہیں۔ جو باپ کے بعد بھائی نے باپ بن کر ہمیں دیا تھا۔

؎ بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

---

۲۶ جنوری ۱۹۶۷ء کو جلسہ سالانہ کی افتتاحی تقریر میں فرمایا:

"خدا کرے کہ ذکرِ الٰہی میں تم ہمیشہ مشغول رہو اور ذکرِ الٰہی کے اس سرچشمہ سے ابدی مسرّتوں کے چشمے تمہارے لئے پھوٹیں اور بہہ نکلیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمیشہ تم پر سایہ فگن رہے، تمہاری پاسبانی کرتی رہے اور اس کے لُطف و کرم کی چاندنی تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے چھپر کھٹوں پر نُور افشانی کرتی رہے تمہارے اعمال اسی کے فضل سے بہتر پھل لائیں۔ تمہارے دِل اور تمہارے سینے ہمیشہ نیک تمنّاؤں اور نیک خواہشات کا ہی گہوارہ رہیں۔ جو تم چاہو تم پاؤ اور ربِّ رحیم کی طرف سے سلامتی کا تحفہ تمہیں سرآن ملتا رہے۔"

(جلسہ سالانہ کی دُعائیں صفحہ ۱۳)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت کا ایک ورق

رسومات سے اجتناب اور تربیت کرنے کا حکیمانہ انداز

محترمہ طیبہ بیگم صاحبہ بیگم نوابزادہ مسعود احمد خان صاحب

مَیں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت کے متعلق چند واقعات لکھ رہی ہوں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نے رسومات کے خلاف کس قدر ہماری اصلاح کی کوشش کی ہے۔ حضور (خدا تعالیٰ حضور کے درجات بلند فرمائے) بے انتہا محبّت کرنے والے وجود تھے۔ ہماری چھوٹی چھوٹی ہزاروں غلطیوں کو معاف فرما دیتے۔ اور محبت سے ہماری اصلاح فرماتے تھے۔ لیکن جہاں کوئی غلط بات دیکھتے تھے تو ایسی محبّت سے اس کے متعلق ہدایت فرماتے تھے کہ خود بخود اصلاح ہو جاتی تھی۔

میری بڑی بیٹی کی شادی تھی۔ بارات لاہور سے آرہی تھی۔ دوپہر کا کھانا بارات نے کھا کر واپس جانا تھا۔ مَیں نے حضور سے درخواست کی بارات کے ساتھ کھانے کے لئے سب بہن بھائیوں کو اجازت دے دیں۔ حضور نے از راہِ شفقت ہمارے سب بہن بھائیوں کو بارات کے استقبال اور ساتھ کھانا کھانے کی اجازت دے دی۔

حضور (خدا تعالیٰ حضور کے درجات بلند فرمائے) بے انتہا محبّت کرنے والے وجود تھے ہماری چھوٹی چھوٹی ہزاروں غلطیوں کو معاف فرما دیتے۔ اور محبت سے ہماری اصلاح فرماتے تھے۔ لیکن جہاں کوئی غلط بات دیکھتے تھے تو ایسی محبّت سے اس کے متعلق ہدایت فرماتے تھے کہ خود بخود اصلاح ہو جاتی تھی۔

حضور میری بیٹی کے لئے جو تحفہ لائے تھے اس کے لفافے کے اُوپر اپنے دستِ مبارک سے لکھا ہُوا تھا۔

اصل دعاؤں کا تحفہ

"اصل دعاؤں کا تحفہ"

خدا تعالیٰ نے میری بیٹی پر دعاؤں کے تحفے کی بدولت بے انتہا فضل کئے ہیں۔

پھر آدھی رات گذرنے کے بعد لاہور سے فون آیا کہ بارات کی ایک کار کا واپسی پر بہت سخت ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور دولہا کے والد اور والدہ سخت زخمی ہوئے ہیں۔ مَیں صبح ہی دُعا کے لئے عرض کرنے گئی۔ قربان جاؤں اُس پیاری ہستی کے۔ فرمایا۔ "سب سے پہلے فون

تو مجھے ہی آیا تھا۔ میں ساری رات بے قراری سے ٹہلتا رہا اور سب کے لئے دُعائیں کرتا رہا ہوں۔ کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ ہماری لڑکی منحوس تھی جو اس طرح ہوا۔ پھر اُن دُعاؤں کے طفیل خدا تعالےٰ نے ایک ایک کو صحت دے دی الحمد للہ۔

میری دوسری بیٹی کی شادی سے صرف دو دن پہلے ہمارے ایک جوان عزیز کا انتقال ہوگیا۔ شادی اس وقت ملتوی کر دی گئی۔ پُورے ایک ماہ کے بعد مجھے بلا کر فرمایا کہ اب رُخصتانہ کر دو۔ اُس وقت اُس بچی کی وجہ سے جس کے خاوند کا انتقال ہوا تھا دلوں پر بہت اثر تھا۔ میں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ لڑکی کی شادی ہے۔ کونسا کھانا وغیرہ ہوگا۔ گھر کے کچھ لوگ جمع ہو جائیں اور حضور دُعا فرما کر بچی کو رخصت فرما دیں۔ کرسیوں اور شامیانوں کی بھی کیا ضرورت ہے۔ فوراً اس خیال سے کہ کہیں اب شریعت کے خلاف ہمارے ہاں بھی یہ رسم نہ پڑ جائے کہ کسی کی وفات کے بعد جلدی شادی نہیں کرتے۔ فرمایا "کرسیاں بھی آئیں گی۔ شامیانے بھی لگیں گے اور کیا تم مجھے بھی کھانا نہ کھلاؤ گی؟ (صرف ایک رسم توڑنے کے لئے)۔ پھر حضور بچی کو رخصت فرما کر رات گیارہ بجے تک ہمارے ہاں تشریف فرما رہے اور کھانا بھی کھایا۔

ہمارے چچا زاد بھائی میر داؤد احمد صاحب مرحوم کی وفات کے تقریباً پندرہ یا بیس دن کے بعد حضور نے فرمایا کہ میں تمہاری بیٹی کا نکاح پڑھانے لگا ہوں۔ اور ساتھ میں تین نکاح اور پڑھاؤں گا تاکہ حضرت اقدس کا یہ شعر پورا ہو جائے کہ ؎

غموں کا ایک دن اور چار شادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

اس کے بعد میری تیسری بیٹی کی شادی چونکہ ربوہ میں ہی ہو رہی تھی۔ مجھے بُلا کر فرمایا کہ چونکہ بارات مقامی ہے اس لئے کوئی کھانا وغیرہ تم نے نہیں دینا۔

اس طرح ہر موقع پر حضور نے ہماری اصلاح فرمائی۔ خدا تعالےٰ حضور کے درجات بلند فرمائے۔

ایک عزیزہ کے رشتہ ہونے پر اس کے سسرال والوں نے کہلا بھیجا کہ بات پکی ہوگئی ہے۔ ہم لڑکی کو انگوٹھی پہنانا چاہتے ہیں۔ حضور سے اجازت لی تو فرمایا کہ بس بہن بھائی اکٹھے ہوں اور اُن کی خوشی پوری کروا دو۔ کوئی رسم نہیں کرنی۔

خلافت کے بعد پہلی عید کی رات چاند دیکھ کر میں ملنے گئی اور عید کی مبارک باد عرض کی اُن دنوں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ میرے ہاں تشریف فرما تھیں۔ فرمانے لگے پھوپھی جان سے کہہ دینا کہ ہم عید کی دوپہر کا کھانا اُن کے ساتھ کھائیں گے۔ میرے لئے تو بیحد خوشی کا وقت تھا۔ کہ حضور خود تشریف لا رہے ہیں۔ دوپہر کو حضور تشریف لائے اور کافی دیر قیام رہا۔ اس وقت بھی باوجود اس قدر مصروفیت کے بڑے رشتہ کو مقدم رکھا۔

پچھلے سال میرا پوتا جو چند ماہ کا تھا جرمنی میں سخت بیمار ہوگیا۔ اور تقریباً ساڑھے تین ماہ ہسپتال میں داخل رہا۔ جب بیماری کی اطلاع آئی تو میں دُعا

کے لئے عرض کرنے گئی اور بیماری کا بتایا۔ فرمایا "کیا
تمہیں خدا پر بھروسہ نہیں"۔ مَیں نے کہا حضور "ہے"۔
فرمایا پھر کیوں فکر کرتی ہو۔ بچہ انشاءاللہ اچھا ہوجائے
گا۔ اس کے بعد کئی دفعہ حضور اسلام آباد تشریف لے
جاتے رہے۔ اور واپس آکر بغیر میرے پوچھے مجھے
بتاتے رہے کہ بچہ کا یہ حال ہے۔ مَیں نے فرینکفرٹ فون
کر کے پوچھا تھا۔ شفقت کی کس کس بات کو یاد کروں۔
پھر خدا تعالیٰ کے فضل اور حضور کی دعاؤں کے طفیل بچے
کو صحت ہوگئی۔ اسی بچے کی پیدائش سے بہت پہلے
حضور نے نام رکھ دیا تھا لڑکے کا اور خدا تعالیٰ کے
فضل سے لڑکا ہی ہوا۔ ایک دن یہی بات ہو رہی تھی۔
مَیں نے عرض کی کہ حضور نے لڑکے کا نام رکھا تھا خدا
تعالیٰ نے لڑکا ہی دیا۔ فرمانے لگے کہ مجھے کئی لوگوں نے
یہ بات کہی ہے کہ جب مَیں کسی کا پہلے ہی لڑکے کا نام
رکھ دیتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے لڑکا ہی ہوتا
ہے۔

گذشتہ سال مَیں نے امریکہ سے فون کر کے پوچھا
کہ میری لڑکی کے بچہ ہونے والا ہے۔ یہاں چونکہ نام
پہلے درج کروانا پڑتا ہے اس لئے حضور نام بتا دیں۔
فرمایا "طارق احمد" اور خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے
بندے کی بات اس طرح پوری کی کہ دو بہنوں کے بعد
طارق احمد آگیا۔

بہت ہی پیارا وجود ہم سے جُدا ہوگیا ہے۔
ہمیشہ ہم سے محبت کا سلوک کیا۔ مَیں تو بہت گنہگار
ہوں۔ جب بھی ملے بے حد محبت سے حال پوچھا۔ آخری
بیماری میں جب مَیں اسلام آباد گئی تو اندر کمرے
میں جانے کی ڈاکٹروں نے اجازت نہیں دی تھی۔ دوسرے
دن فرمایا کہ کون کون مجھے پوچھنے آیا۔ سب کے نام
بتائے گئے۔ فرمایا دو دو منٹ کو سب باری باری کمرے
میں آجائیں۔ وہ نظارہ اب بھی آنکھوں کے سامنے
ہے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضور کی وفات کے تین
دن پہلے حضور کی زیارت کرائی تھی۔ اس وقت بھی
یہی پوچھا کہ "تمہارا کیا حال ہے"۔

اے ہمارے پیارے خدا۔ تو اُس پیاری ہستی
کے درجات بہت بہت بلند فرما۔ اور جنت الفردوس میں
ہمیں بھی اُن کے قرب میں جگہ دے۔ (آمین)

آپ نے فرمایا:۔
"اے ہمارے اللہ! ہمارے پیارے
ربّ! تُو ایسا کر کہ تیرے یہ کمزور اور
بے مایہ بندے تیرے لئے بنی نوع
کے دل جیت لیں اور تیرے قدموں
میں اُنہیں لا ڈالیں۔ ایسا کر کہ تا ابد
دُنیا کے ہر گھر اور ان گھروں میں بسنے
والے ہر دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی صدا اور
دُنیا کی ہر زبان سے اَللّٰهُ اَکْبَر کا
نعرہ بلند ہوتا رہے"۔
(افتتاحی تقریر بر موقع جلسہ سالانہ ۱۹۶۸ء)

حضور اکثر گفتگو کے دوران روا روی کے انداز میں کوئی بات بیان فرماتے مگر چند دنوں، چند گھنٹوں اور بعض اوقات تو چند لمحوں میں وہ پوری ہو کر ہمارے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث بن جایا کرتی تھی۔

وہ مقدس وجود

جس کے منہ سے نکلی ہوئی بات اللہ تعالیٰ پوری کر دیتا تھا!

مکرم جناب ثاقب زیروی صاحب مدیر ہفت روزہ لاہور

مصباح کی مدیرہ محترمہ نے سیدی و محبوبی حضرت حافظ میرزا ناصر احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے پاکیزہ و مطہر زندگی کے بارے میں کچھ لکھنے کو کہا ہے اور میں اُسی وقت سے اس اُلجھن میں ہوں کہ ۴۲، ۴۳ سال پر پھیلے ہوئے قربت و رفاقتِ حسنہ کے اس رشتہ کو کہاں سے پکڑوں کہ مضمون کو شروع کر کے مکمل کر سکوں۔ کیونکہ ؎

مشکل بہت ہے مِل کے بچھڑنے کا مرحلہ
اللہ نہ دے کسی کو سزائے غمِ فراق

پھر یہ قربت و رفاقتِ حسنہ بھی اُس مقدس وجود سے ــ جس کی شیریں زبان سے سب سے پہلی دفعہ " اپنے رب سے راز و نیاز " کی گفتگو سننے کا ۱۹۴۲ء میں شرف حاصل ہُوا۔ اس " ہدایت " کے ساتھ کہ " ثاقب! اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا "۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ رُوح ان پاکیزہ و پُر انوار مکالمات سے اکثر سیراب ہوتی رہی لیکن اُس " ہدایتِ اوّلین " کے باعث لبوں پر ہمیشہ مہرِ سکوت لگی رہی۔ بلکہ حضور کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی بچوں، دوستوں اور اربابِ جماعت سے صرف وہی باتیں کرنے یا دُہرانے کی جرأت کی جن کے آگے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی گئی۔

وہ شخص ــــ جو اکثر خدا کے عطا کردہ علم سے گفتگو فرماتا تھا۔ مگر اس احتیاط کے ساتھ اور ایک ایسے روا روی کے انداز میں کہ وہ بات اکثر ضمنی اور متفرق ہی سی معلوم ہوتی اُس وقت تک جب تک رضائے الٰہی سے چند دنوں، چند گھنٹوں اور بعض اوقات چند لمحوں کے بعد لفظاً لفظاً پوری ہو کر سامنے نہ آجاتی۔ ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۷ء تک تو ایسے ایمان افروز لمحے بار ہا آئے۔ اُن ایامِ ابتلاء میں جب حکومت کی طرف سے " لاہور " سے ہر دوسرے تیسرے پندرھویں دن دس ہزار، پندرہ ہزار روپے کی ضمانت طلبی کے سلسلہ نے معمول کا رنگ اختیار کر لیا تھا ــــ جب " روزنامچہ " کی اشاعت کے پاداش میں اس عاجز کے خلاف حکومت کی طرف سے " ڈی۔پی۔آر " کے تحت دو ایسی دفعات کے تحت مقدمات درج ہوئے جن میں سے ایک میں سزا چودہ سال تھی تو دوسرے میں دس سال ــ اور جب ایک اشارہ خاص پر ایک معاند سلسلہ نے ناچیز

کے خلاف "ہتک عزت" کا ایک استغاثہ سرگودھا میں دائر کیا تھا۔ ارباب اختیار کی ایسی اشیرباد اور پشت پناہی کے ساتھ کہ بوکھلائے ہوئے مجسٹریٹ کی عدالت سے ہمیں سمن اور اس کے بعد وارنٹ کی بجائے پہلی ہی دفعہ "وارنٹ گرفتاری بلاضمانت" وصول ہوا۔ ہتھکڑی کی کھنکتی ہوئی زنجیروں کے ساتھ۔ جسے ہائی کورٹ نے "غیر قانونی" قرار دے کر معطل کیا ــــ

ہاں اُن ایّام میں جب بالآخر اس ناچیز کو ۱۱ فروری ۱۹۷۶ء کو گرفتار بھی کیا گیا تو میرے سیّد و محبوب کی دُعائیں مجھ پر اس طرح تنی رہیں کہ سارا دن تھانے میں بٹھا کر بالآخر یہ کہہ دیا گیا کہ چونکہ کاغذات میں گرفتاری صبح ڈالی جائے گی۔ آپ کل ۹½ اور ۱۰ بجے کے درمیان آ جائیں اور جب وہاں اگلے دن پہنچا تو تھانے کے انچارج نے ہنس کر کہا۔

"ــ یا تو وہ شورا شوری تھی یا یہ بے نمکی ہے! پہلے ایک تابڑ توڑ حکم کے تحت گرفتار کرنے کو کہا گیا۔ جب گرفتار کر لائے تو چند گھنٹوں کے بعد حکم آگیا۔ گرفتاری صبح ڈالنا ــــ اور صبح ہوئی تو حکم آگیا۔ فی الحال گرفتاری نہ ڈالو ــ"

فرمانے لگے "ثاقب صاحب! معلوم ہوتا ہے آپ کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ورنہ پی پی پی کے دور میں ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا"۔ عرض کیا۔ "واقعی بہت لمبے ہیں جو آسمان تک پہنچتے ہیں۔ میرا ہاتھ ایک ایسے برگزیدہ و راستباز انسان کے ہاتھ میں ہے۔ جو میرے ربّ کو بہت محبوب ہے"۔

مجھے تو حاضری کی سعادت ساتویں یا دسویں دن مل ہوتی تھی۔ پھر اس حاضری کے لئے کسی دن اور وقت کی قید بھی نہ تھی۔ ان ایمان بھرے نظاروں سے صبح و شام لطف اندوز تو ہوتی ہوگی وہ نیک اولاد جو ہر وقت اس وجود باجود کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہتی تھی۔ یا پھر آپ کی محبوب رفیقۂ حیات حضرت سیّدہ منصورہ بیگم نوّر اللہ مرقدہا۔ جو ؎

قصرِ خلافت میں اُجالے کی طرح تھی
تھی چاند مگر چاند کے ہالے کی طرح تھی

حضور کے خدائی اشارے کے تحت گفتگو فرمانے کا ایک واقعہ حضرت سیّدہ محترمہ ہی کی زبانی سماعت فرما لیجئے۔ اس واقعہ کی تمہید کے طور پر عرض کروں کہ حضرت حضرت سیّدہ محترمہ کو پان کھانے کا شوق تھا۔ حضور بھی پان کا شوق فرماتے تھے۔ خلافت کے خلعت پہننے سے قبل۔ مگر سیّدہ محترمہ سے کم۔ اور چونکہ مجھے بھی یہ عادت ابتدائی سکول کے ایّام سے ہے۔ اس لئے مجھے بھی ہمیشہ اس خوانِ نعمت سے مائدہ عطا ہوتا رہا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پان باہر سے آنا بند ہو گئے۔ میں جو ربوہ آیا تو حضرت آپا جان نے جس پتّہ پر چونا کتھا لگا کر مجھے بھجوایا وہ غالباً چنبیلی کا پتّہ تھا۔ بہرحال پان کا نہ تھا۔ یہی صورت پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم کے پاندان کی تھی۔ اُس دن کے بعد میں نے اپنا معمول بنا لیا کہ جب بھی ربوہ آیا۔ بیس، اکیس پان کے پتّے ساتھ لیتا آیا۔ لاہور کے دفتر کے نیچے ایک تنبولی کا کھوکھا تھا۔ اُس کی باقاعدہ ڈیوٹی

لگا دی گئی۔ مَیں اُسے اپنی اگلی حاضری کی تاریخ بتا دیتا اور وہ ان درمیانی دنوں میں جُوں تُوں بیس اکیس پان اکٹھے کر لیتا۔ جو حضرت آپا جان کی خدمت میں پہنچتے ہی دو دو چار چار کر کے خاندان کے مختلف گھروں میں بٹ جاتے۔ ۱۹۶۵ء کے بعد ۱۹۷۱ء میں بھی کمیابی کی یہی صورت ہوئی مَیں نے ۱۹۶۵ء میں جو ارادہ کیا تھا۔ اُس نے پہلے معمول پھر عادت کی شکل ——— اور "پانوں" نے خاندان حضرت اقدس میں میرے ربوہ میں پہنچ جانے کے اعلان اور دربارِ خلافت میں میرے "ملاقاتی کارڈ" کی صورت اختیار کر لی ——— حضور نے خلافت کے بعد یہ شوق پہلے کم کیا۔ پھر بالکل ہی چھوڑ دیا۔ لیکن جب تک میں "حضوری" میں رہتا میرے لئے "تھلیا" میں پان لگ کر اندر سے آتے رہتے۔ اور اگر کبھی تاخیر ہو جاتی تو حضور خود اندر تشریف لے جا کر لگوا کر لے آتے۔ اللہ رے غلام نوازی!

——— اسی سلسلہ کا ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دنوں کا ایک واقعہ ہے۔ ایک دن مَیں صُبح سویرے ریل کار سے ربوہ پہنچا۔ ریل کار سردیوں میں سات بجے کے قریب ہی ربوہ پہنچ جاتی تھی۔ اسٹیشن سے سیدھا قصرِ خلافت پہنچا۔ "برگِ سبز" کا تحفہ اندر بھجوایا۔ اندر سے ارشاد ہوا۔ "ناشتہ بھجوایا جا رہا ہے۔ دفتر ہی میں بیٹھیں" ——— مگر جب ناشتہ آیا تو خادمہ اُس کے ساتھ ہی ایک بند لفافہ بھی لائی۔ جس پر کوئی نام درج نہ تھا۔ اس لئے مَیں جب اس خیال سے اُسے جیب میں ڈالنے لگا۔ کہ ملاقات کے دوران میں حضور سے دریافت کر لُوں گا کہ یہ کس کے نام ہے تو خادمہ نے بتایا کہ۔

"وہ خط میرے نام ہے اور حضرت آپا جان نے بھجوایا ہے"۔

ناشتہ سے فراغت کے بعد میں نے اس ملفوف کو کھولا تو اُس کا مضمون یہ تھا۔

"——— آپ کا پان لانا تو اَب ایک خوشگوار معمول بن چکا ہے۔ اور رسمی شکریئے سے بات بہت آگے نِکل چکی ہے۔ مگر آج ایک ایسی بات ہوئی ہے کہ مَیں اُس کے رُوحانی لُطف و سُرور میں آپ کو بھی شامل کرنا چاہتی ہوں۔ ابھی چند منٹ گزرے حضور میرے کمرے میں تشریف لائے اور فرمایا منصورہ آج پان کو جی چاہتا ہے۔ آپ کے پاس کوئی ٹکڑا ہے؟ مَیں نے پاندان کھولا اسے اچھی طرح دیکھا بھالا۔ بلکہ کھنگالا اور عرض کیا "حضور صرف یہ پون انچ چوڑا اور کوئی سوا انچ لمبا ایک ٹکڑا ہے"۔ فرمایا "یہ مجھے لگا دیں۔ آپ کے پان اللہ تعالیٰ بھجوا دے گا"۔ مَیں نے ارشاد کی تعمیل کی۔ حضور نے وہ ٹکڑا دہنِ مبارک میں رکھا اور اپنے کمرے میں تشریف لے گئے کہ دو منٹ کے بعد دفتر کے ایک کارکن نے باہر سے آواز دی۔ "ثاقب صاحب نے سلام عرض کیا ہے اور یہ پان بھجوائے ہیں ———"۔

پیکرِ عجز و انکسار

محترم الحاج چوہدری شبیر احمد صاحب وکیل المال تحریک جدید

> جب خدا کا نیک بندہ عجز و انکسار اختیار کرتا ہے تو اس کا قدر دان خدا اسے ساتویں آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اس ارشادِ نبویؐ کا زندہ و تابندہ نشان ہم نے اپنی آنکھوں سے اپنے محبوب امام نافلہ موعود سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات میں دیکھا ہے۔

سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب خدا کا نیک بندہ عجز و انکسار اختیار کرتا ہے تو اس کا قدر دان خدا اسے ساتویں آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے اس ارشادِ نبویؐ کا زندہ و تابندہ نشان ہم نے اپنی آنکھوں سے اپنے محبوب امام نافلہ موعود سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات میں دیکھا ہے۔ حضور انور باوجود بڑی خوبیوں اور عظمتوں کے عجز و انکسار کے پیکر تھے۔

عاجز کو تقریباً ۱۹۶۰ء سے حضور پُرنور کے ساتھ مجلس انصاراللہ کے دورہ جات میں گاہے گاہے رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے حضور انور سب ہمسفر خدام سے برابری کا سلوک فرماتے۔ جو خود کھاتے وہ سب کو کھلاتے۔ بڑی بے تکلفی سے گفتگو فرماتے۔ کسی کو احساس کمتری نہ ہونے دیتے۔ تقریر فرماتے تو سراسر عجز و انکسار کا اظہار ہوتا اور زیادہ تر اسی کی تلقین فرماتے صدر مجلس ہونے کے باوجود نمازوں کی امامت دوسروں سے کرواتے۔ نمائش سے کوسوں دُور رہتے۔ شروع شروع میں اپنی گاڑی خود ڈرائیو فرماتے اور ہم خدام مزے سے بے فکروں کی طرح ہمسفر رہتے۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ دوروں میں ڈرائیونگ کا کام دوسروں کے سپرد کیا جاتا رہا۔ مکرم محمود احمد صاحب حیدرآبادی حضور انور کے معتمد علیہ ڈرائیور تھے۔ نظم خوانی میں بھی مہارت تھی۔ وہ اچھے رفیقِ سفر ثابت ہوتے تھے حضور انور چلتی گاڑی میں بھی ہم سے نظمیں سماعت فرماتے۔

ایک مرتبہ دورانِ سفر عاجز نے دیکھا کہ آپ کو جو بچہ بھی نظر آتا اس کو سلام کرتے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ ایک دن کسی خادم نے اس کی وجہ پوچھی تو حضور نے فرمایا کہ یہ نسل مستقبل میں احمدیت میں آنے والی ہے۔ اللہ اللہ احمدیت کے تابناک مستقبل کے بارے میں کس قدر پختہ یقین اور اس کے لئے عجز و انکسار کے ساتھ استقبال کی تیاری!

ایک مرتبہ ساہیوال میں اجتماع انصار اللہ تھا۔ جس میں حضور انور نے بحیثیت صدر مجلس انصاراللہ شرکت فرمائی۔ رات کے وقت سونے کے لئے چارپائیوں کا اہتمام ہوا تو اس میں حضورِ انور نے کسی امتیازی جگہ کو قبول

نہ فرمایا. حضور کی چارپائی کے ساتھ ناچیز کی چارپائی تھی. حضور تہجد کی ادائیگی فرماتے مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دیتے تھے۔ انتہائی تخلیہ میں یہ عبادت پسند فرماتے کیونکہ حضور زہد و اتقاء کے اظہار کو ناپسند فرماتے تھے. عجز و انکسار کا یہ عالم صرف اولیاء اللہ کے حصّہ میں ہی آتا ہے. جن کو اللہ تعالیٰ غیر معمولی روحانی رفعتوں سے نوازتا ہے. اور ہمارے محبوب امام عالی مقام کا یہی عجز و انکسار تھا جو آپ کو روحانیت کی بلندیوں تک پہنچانے کا موجب ہُوا. یہاں تک آپ مستقبل میں خلیفہ ذوالقرنین قرار پائے۔

دُعاؤں کی قبولیت کا حضور انور کو امتیاز بخشا گیا. حضور کی دُعاؤں کی قبولیت کے بے شمار ایمان افروز واقعات عاجز کے ذاتی مشاہدہ میں آئے ہیں جن کا ذکر کسی آئندہ مضمون میں انشاء اللہ کرونگا.

عند الملاقات عجز و انکسار کی ایک مستقل ادا یہ دیکھنے میں آتی تھی کہ خلافت سے پہلے بھی اور خلافت کے بعد بھی حضور انور خاکسار سمیت اپنے جملہ خدام کو "آپ" کے لفظ سے مخاطب فرماتے اور نظم کے لئے بلاتے وقت بھی "شبّیر صاحب" فرماتے ــــــ انسانیت کی اس قدر عزّت اور آدمیت کا اتنا احترام حضور کے دِلی عجز و انکسار کا آئینہ دار تھا۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے وقت آنے پر حضور کے حق میں ہی مومنوں کے دلوں کو مائل کر دیا اور سب نے بصدقِ دل آپ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اس موقعہ پر عاجز کی زبان سے یہ شعر نکلا. ؎

کل میاں ناصر تھے اَب وہ ہیں امیرالمومنین
پہلی شب کا چاند گویا بن گیا ماہِ مبین

وہ ہمارا ناصر وہ مہدی معہود کا ناصر۔ وہ نصرت جہاں کا ناصر۔ وہ محمود اور محمودہ کا ناصر ساری دُنیا کا محبوب ناصر بن گیا۔ شبِ دیجور کو منوّر کرنے والا ماہِ مبین بن کر چمکا۔

۶. جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا

حضرت مخبر صادق حبیبِ کبریا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کیا خوب ارشاد ہے کہ جب خدا کا نیک بندہ عجز و انکسار اختیار کرتا ہے تو اس کا قدر دان خدا اسے ساتویں آسمان کی رفعتوں تک پہنچا دیتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

آپ نے فرمایا:۔
" خدا کرے کہ توحیدِ خالص کے قیام کا تم ذریعہ ہو۔
خدا کرے کہ عشقِ محمدؐ میں تم ہمیشہ مسرور اور مست رہو۔
خدا کرے کہ نورِ محمدی کی شمع تمہارے ہاتھ سے ہر دل میں فروزاں ہو۔
خدا کرے کہ مسیح محمدی کی سب دعاؤں کے تم وارث ہو۔ آمین "۔
(افتتاحی تقریر بر موقع جلسہ سالانہ ۱۹۶۷ء)

سلام اُس پر خدا نے "نافلہ" تھا جس کو فرمایا

مکرم آفتاب احمد صاحب بسمل ۔ کراچی

سلام اُس پر خدا نے نافلہ تھا جس کو فرمایا سلام اُس پر کہ جس کا ذکر وحیٔ پاک میں آیا
سلام اُس پر سدا جس پر رہا اللہ کا سایہ سلام اُس پر امامت کا تھا جس نے مرتبہ پایا
سلام اُس مصلح موعود کے فرزندِ اقدس پر
بنا تھا قدرتِ ثانی کا جو کہ تیسرا مظہر

سلام اس پر جسے حق نے خلافت کی ردا بخشی ملا جس کو خلیفۃ المسیح کا رتبۂ عالی
جسے اس دور میں قرآن سے نسبت تھی عثمانی بفضلِ ایزدی تھا واقفِ اسرارِ رُوحانی
مسیحِ پاک کے لختِ جگر کی گود کا پالا ۔
وہ اماں جان کی ٹھنڈک اور اُن کی آنکھ کا تارا

سلام اُس میرے پیارے میرے آقا میرے دلبر پر کہ جس سے ہو گیا تھا گلشنِ اسلام بار آور
محمد مصطفٰےؐ کے جاں نثاروں کا وہ سر لشکر مرے ماں باپ ہوں بسمل تصدق جس کے قدموں پر
خُدا خود حافظ و ناصر تھا جس کا ہر گھڑی ہر پل
کہ وہ رہتا تھا اُس کے دین کی خاطر رات دن بے کل

سلام اُس پر مجسّم جو خدا کا ایک مظہر تھا کلام اللہ سے جس کا دلِ صافی منوّر تھا
سلام اُس پر خدا کا پاک سایہ جس کے سر پر تھا گدا جس کے درِ اقدس کا شاہوں سے بھی بڑھ کر تھا
الٰہی کر بلند درجات تو اُس میرے آقا کے
اور اپنے فضل سے اُس کو مقامِ قرب عطا کر دے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

نے

اپنے عہدے اور منصب کا حق ادا کر دیا!

(از محترم مولانا دین محمد صاحب شاہد۔ ایم۔ اے مربی سلسلہ احمدیہ و اکونٹ سابق مبلغ جزائر فجی)

قرآن کریم کی آیت استخلاف (سورہ نور آیت ۵۶) میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو پہلے لوگوں کی طرح خلافت کی نعمت دینے کا وعدہ فرمایا ہے اس الٰہی وعدہ کے مطابق اسلام کی بعثت اولیٰ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، سیدنا حضرت عمر فاروق رضؓ، سیدنا حضرت عثمان رضؓ اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے مقامِ خلافت پر کھڑا کیا اور سب نے اپنے اپنے وقت میں خلافت اور جانشینی کا حق ادا فرمایا۔ اسلام کی بعثت ثانیہ کے اس مبارک زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے عین مطابق ظاہر ہونے والے سیدنا حضرت اقدس موعود آخر الزمان کے بعد سیدنا حضرت مولانا نور الدین صاحب، سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب اور سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے مقامِ خلافت پر سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے قائم فرمودہ یہ تمام خلفاء ہمارے پیارے وجود ہیں اور ان سب خلفاء نے آیت استخلاف کے مطابق خلافت و نیابت اور امامت کا حق ادا کیا ہے۔

اس وقت سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث کی زندگی، سیرت طیبہ اور کارناموں کا خلاصہ بیان کرنا مقصود ہے آپ نے اپنے قریباً سترہ سالہ عہدِ خلافت میں خلافت اور جانشینی کا کماحقہ حق ادا فرمایا ہے۔ گو آج ہم میں جسمانی موجود نہیں مگر روحانی لحاظ سے آپ اپنے عظیم کارناموں کی بناء پر زندۂ جاوید ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک خدمتِ دین میں گذارے ہیں اس لئے آپ روحانی لحاظ سے زندہ ہیں۔ اور آپ کو قرآنی آیت عند ربھم یرزقون (آل عمران آیت ۱۷۰) کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں مزید روحانی ترقیات کے لئے ہر آن روحانی رزق دیا جاتا ہے۔

خلیفہ نبی کا ظل ہوتا ہے

قرآن کریم کی آیت ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ (سورۃ الجمعہ آیت ۳) میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار عظیم کارنامے بیان فرمائے ہیں یعنی آپؐ نے تلاوتِ آیات۔ تزکیہ نفوس، تعلیم کتابؐ اور تعلیم حکمتؐ پر مشتمل چار عظیم کام سرانجام دیئے ہیں۔ سیدنا حضرت اقدس

نے اپنی کتاب شہادۃ القرآن صفحہ ۵۷ میں تحریر فرمایا ہے کہ خلفاء اور جانشین دراصل رسول کا ظل ہوتے ہیں۔ اس بناء پر خلفاء اور جانشینوں کو بھی یہی چار عظیم کام سرانجام دینے ہوتے ہیں جس کے عین مطابق سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث نے بھی اپنے بابرکت دورِ خلافت میں یہی چاروں عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے۔

آپ کی زندگی کے حالات اور کارناموں کا خلاصہ

سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث کی ولادت باسعادت مورخہ ۱۵ر نومبر ۱۹۰۹ء کو ہوئی۔ آپ نے ۱۳ سال کی عمر میں قرآنِ کریم حفظ کیا۔ بیس سال کی عمر میں ۱۹۲۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۳۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسی سال ۲ر جولائی ۱۹۳۴ء کو حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ بنت حضرت نواب محمد علی خان صاحب مرحوم سے آپ کا نکاح ہوا۔ ۸ر اگست ۱۹۳۴ء کو رخصتانہ ہوا۔ ایک ماہ بعد آپ بغرض تعلیم انگلستان کے لئے روانہ ہوئے۔ ۹ر نومبر ۱۹۳۸ء کو آکسفورڈ یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کر کے واپس قادیان تشریف لائے۔ جون ۱۹۳۹ء سے اپریل ۱۹۴۴ء تک جامعہ احمدیہ کے پرنسپل رہے۔ فروری ۱۹۳۹ء سے اکتوبر ۱۹۴۹ء تک مجلس خدام الاحمدیہ کے صدر رہے۔

اکتوبر ۱۹۴۹ء سے نومبر ۱۹۵۴ء تک سیدنا حضرت اقدس مصلح موعودؓ نے خود بنفسِ نفیس صدر خدام الاحمدیہ ہونے کا اعلان فرمایا تو اس عرصہ میں حضور نے نائب صدر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ یکم مئی ۱۹۴۴ء سے ۸ر نومبر ۱۹۶۵ء تک آپ تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل رہے۔ ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ملک پر آپ نے قادیان میں رہ کر نہایت جرأت سے اردگرد دیہات میں گھرے ہوئے مظلوم مسلمانوں کی امداد و حمایت فرمائی۔ ۱۶ر نومبر ۱۹۴۷ء کو قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے۔ جون ۱۹۴۸ء سے جون ۱۹۵۰ء تک فرقان بٹالین میں جہاد کشمیر کے سلسلہ میں عظیم خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۵۳ء میں فسادات پنجاب کے موقعہ پر مارشل لاء لگنے پر کچھ عرصہ تک آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ ۱۹۵۴ء میں مجلس انصار اللہ کے صدر منتخب ہوئے اور مئی ۱۹۵۵ء میں صدر انجمن احمدیہ کے صدر مقرر ہوئے۔ ان تمام ذمہ داریوں کو مقامِ خلافت پر فائز ہونے تک نہایت احسن رنگ میں سرانجام دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی و مصلح موعود کی وفات پر ۸ر نومبر ۱۹۶۵ء کو مقامِ خلافت پر سرفراز ہوئے۔ اُس وقت سے تاحینِ حیات آپ نے خدمتِ دین کے لئے وقف ہو کر تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفس[۲]، تعلیم کتاب[۳] اور تعلیم حکمت کے سلسلہ میں عظیم خدمات سرانجام دیں۔

سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث کی زندگی، سیرت طیبہ اور کارناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے قریباً سترہ سالہ عہد خلافت میں خلافت اور جانشینی کا کماحقہٗ حق ادا فرمایا ہے۔ گو آج آپ ہم میں اصالتاً موجود نہیں مگر روحانی لحاظ سے آپ اپنے عظیم کارناموں کی بناء پر زندۂ جاوید ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک خدمتِ دین میں گزارے ہیں۔ اس لئے آپ روحانی لحاظ سے زندہ ہیں۔

آپ کے ذاتی اوصاف

صحت کی پرواہ کئے بغیر

آپ نے زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمتِ دین کے لئے وقف کئے رکھا۔ آپ نے اپنے ایک الہامی مصرع میں "جان و مال و آبرو حاضر ہیں تیری راہ میں" کا جو اظہار کیا تھا اُسے زندگی میں پورا کر دکھایا۔ آپ نے ۷۳ سال کی عمر پائی۔ آپ کا اندازِ بیان اور علمِ کلام بہت گہرا اور جامع تھا۔ آپ سیدنا حضرت بانی سلسلہ کی شانِ جمالی ہیں "چاند کی مانند" تھے۔ ہمیشہ چہرے پر مسکراہٹ ٹپکتی تھی آپ قرآن کریم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور آپ کی کتب اور ملفوظات کے عاشق تھے۔ نظامِ جماعت کو مضبوطی سے قائم رکھا۔ دل کے حلیم اور بردبار تھے بہت دعاگو اور متوکل علی اللہ تھے۔ غیر اللہ سے کلیتًہ مستغنی تھے۔ متکلف ہرگز نہیں تھے۔ بنی نوع انسان کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ مستحق ذہین طلباء اور نوجوانوں کے لئے باپ سے بڑھ کر شفیق تھے۔ بچوں سے بڑا پیار کرتے۔ عمر بھر دین کے ناصر اور اسلام کی خدمت پر کمربستہ رہے۔ وہ بہت ہی پیارے وجود تھے اور زندہ خدا کے زندہ نشان تھے۔

تلاوتِ آیات

سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث نے پے در پے الٰہی نشانات کے ذریعہ اور اپنے ایمان افروز ارشادات و خطبات و تقاریر سے زندہ خدا پر زندہ ایمان پیدا کر کے ایک کروڑ سے زائد نفوس کو اللہ تعالیٰ کا عاشق و متوالا بنا دیا۔ آپ کا وجود باجود الٰہی نشانات و تجلّیات کا مظہر تھا قدم قدم پر ہم نے آپ کے وجود کے ذریعہ بے شمار الٰہی نشانات کا مشاہدہ کیا۔ ۱۹۷۴ء کی شدید مخالفت کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان الفاظ میں خبر دی وسّع مکانك إنّا کفینٰك المستھزئین۔ یعنی جماعت کی غیر معمولی ترقی اور وسعت کے پیشِ نظر آپ جماعتی مکانات اور مراکز کو بڑھاتے چلے جائیں اور جو آپ کے خلاف مذاق اور استہزاء کرنے والے ہیں ہم خود ان کے لئے کافی ہیں۔ جماعت کو ان کے خلاف ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس پیشگوئی کے عین مطابق اللہ تعالیٰ نے جو غیر معمولی آفاقی نشانات دکھائے اس پر ایک دنیا گواہ ہے۔ آپ کے عہدِ خلافت میں جماعت کو غیر معمولی ترقیات اور فتوحات حاصل ہوئیں۔ ان میں گیمبیا کے گورنر جنرل الیف۔ ایم سنگھاٹے کا جماعت احمدیہ میں شامل ہو کر سیدنا حضرت اقدس کے کپڑوں سے برکت پانا اور علم و معرفت کی دنیا میں پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام کو فزکس کے مضمون میں نوبیل انعام کا ملنا شامل ہے آپ کے عہدِ خلافت میں سخت ترین ابتلاؤں سے جماعت کے محفوظ ہو کر بچ نکلنے پر اور ہر پہلو سے اکنافِ عالم میں جماعت کی غیر معمولی ترقیات پر آپ نے جماعت احمدیہ کو یہ نصیحت فرمائی :۔

"خدا کی حمد کریں۔ حمد کریں اور حمد کرتے ہوئے آپ کی زبانیں نہ تھکیں"۔

آپ نے بارہا جماعت کو یہ نصیحت فرمائی کہ "غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے کی بجائے صرف خدائے واحد کے سامنے سر جھکائیں اور توحیدِ خالص پر قائم رہیں"۔ اس نصیحت پر جماعت نے ۱۹۷۴ء کے شدید مشکل حالات میں بھی کمال شان سے عمل کر کے دکھایا۔ آج جبکہ دلوں پر خدا تعالیٰ کی ذات پر حقیقی ایمان مفقود ہے اور دہریوں کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ جس طرح زمین پر

خدا پر ایمان مفقود ہو چکا ہے اسی طرح آسمانوں سے بھی خدا کا نام مٹا دیا جائے گا۔ انکارِ خدا کے ایسے حالات میں ۹ر نومبر ۱۹۸۰ء کو سپین کے تثلیث کدہ میں پیدرو آباد کے مقام پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے "مسجد بشارت" کا سنگِ بنیاد رکھا۔ الٰہی منشاء کے مطابق چودھویں صدی کے اختتام پر اور پندرھویں صدی ہجری کے استقبال کے لئے آپ نے بار بار جماعت کو توحید کے کلمات " لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ۔ اللّٰہ اکبر" کا ورد کرتے رہنے کی تلقین فرمائی جس پر جماعت نے اس عمدگی سے عمل کیا کہ عملاً غیر اللہ سے قطعاً بے نیاز اور منقطع ہو کر اور طرح طرح کے مخالفانہ منصوبوں اور تکفر کے فیصلوں سے یکسر بے نیاز ہو کر خدائے واحد و یکتا سے پختہ تعلق قائم کر لیا۔ جس پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے (اپنی زندگی کے آخری جلسہ سالانہ) یعنی مورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے چودہ کونوں والا "ستارۂ احمدیت" کا نشان جماعت احمدیہ کو پیش کرتے ہوئے ان الفاظ میں یہ خوشخبری سنائی :

"دعا یہ تھی کہ تم ستارے بن جاؤ اور خدا کے
فضل سے ستارے بن گئے تم"!

الغرض سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اپنے عہدِ خلافت میں جماعت کی انگلی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑا دی اور خدا کے فضل سے جماعت شدید ترین مخالف حالات میں بھی توحیدِ خالص پر قائم رہی۔ یہی وہ عظیم اور سب سے بڑھ کر مقدس کارنامہ ہے جو آپ نے کمال شان سے سرانجام دیا۔ فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء۔

تزکیۂ نفوس

حضور نے دوسرا عظیم کارنامہ تزکیۂ نفوس کا سرانجام دیا ہے۔ تزکیۂ نفوس سے مراد نفس کو گندی زیست اور بُرے خیالات سے بچا کر پاک زندگی اور پاک خیالات سے ہمکنار کرانا، غیر معمولی ترقیات سے روشناس کرانا ہے۔ تزکیۂ نفوس کے سلسلہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے کارناموں کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ آپ نے مقامِ خلافت پر فائز ہوتے ہی ۸ر نومبر ۱۹۶۵ء کو پہلی عام بیعت لیتے ہوئے روحانی لحاظ سے دو خطرناک بیماریوں کے ازالہ کی طرف توجہ فرمائی اور شرائطِ بیعت میں دو اقراروں کا اضافہ فرمایا کہ "میں بدظنی نہیں کروں گا اور غیبت نہیں کروں گا"۔ رسوم اور بدعات کو دُور کرنے کے لئے آپ نے بار بار خطبات دے کر ایک جہاد کا اعلان فرمایا۔ مخلوط تعلیم اور بے پردگی کے ہولناک انجاموں کا ذکر کر کے آپ نے خواتین کو اسلامی پردہ کی سختی سے پابندی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

تزکیۂ نفوس کے سلسلہ میں احمدیہ جوبلی سکیم کے روحانی پروگرام کے تحت آپ نے ہر ماہ کی آخری سوموار یا جمعرات کو نفلی روزہ رکھنے، نوافل ادا کرنے، تسبیح و تحمید و درود شریف و استغفار کرنے اور خاص دعاؤں کی تحریک فرمائی۔ نفاق سے بچنے اور مومنوں کی صفات اختیار کرنے کے لئے سورۂ بقرہ کی ابتدائی سترہ آیات کو یاد کرنے اور سمجھ کر پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ تکبر اور ریاء سے بچنے کے لئے آپ نے بار بار عاجزانہ راہوں کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ تزکیۂ نفوس کے لئے قرآن کریم کے پڑھنے اور پڑھانے، اور کتب حضرت اقدس پڑھنے پڑھانے پر بہت زور دیتے رہے اور ہر نیک کام محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی

کو حاصل کرنے کے لئے، سرانجام دینے کی تلقین فرماتے رہے آپ کی ان پاکیزہ ہدایات کا نتیجہ یہ ہے کہ آج جبکہ عام لوگوں کی توجہ مادی ترقی کے حصول اور مادی لذّات کی طرف ہے جماعت احمدیہ کی غالب اکثریت کی توجہ رضائے الٰہی کے حصول اور اخلاقی اقدار کے اختیار کرنے میں ہے۔ یہ انقلابِ عظیم احیاءِ موتیٰ سے بڑھ کر عظیم الشان ہے۔

اکنافِ عالم میں غیر معمولی ترقیات

تزکیہ کے ایک معنی ترقی دینے کے ہیں۔ اس معنی کی رُو سے حضور کے عہدِ خلافت میں جماعت احمدیہ کو اکنافِ عالم میں جو غیر معمولی ترقیات اور فتوحات حاصل ہوئیں مثلاً آپ کے عہدِ سعادت میں بین الاقوامی منظّم مخالفتوں کے باوجود جماعت احمدیہ کو بین الاقوامی سطح پر غیر معمولی طور پر شہرت اور عظمت حاصل ہوئی آپ کے عہدِ خلافت میں اندرونِ ملک اور بیرونی ممالک میں جماعت احمدیہ کی ہزاروں شاخوں اور ان کی ذیلی تنظیموں کو غیر معمولی طور پر منظّم کیا گیا۔ برّاعظم افریقہ میں خاص طور پر "احمدیت" کا نام عظمت سے گونجنے لگا۔ اشاعتِ اسلام اور غلبۂ اسلام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "تطلع الشمس من مغربها" کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے سیدنا حضرت مصلح موعود کی طرح حضرت بلال رضؓ کی قوم یعنی برّاعظم افریقہ کے لوگوں کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ اور حضرت بلال رضؓ کی بظاہر سیاہ مگر دل کے لحاظ سے نورانی قوم کو اور خاص طور پر اُن کے بچوں کو بہت ہی پیار دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے عہدِ خلافت میں برّاعظم افریقہ خاص طور پر مغربی افریقہ کے ممالک میں "احمدیہ" کا نام عزّت وعظمت کا نشان سمجھا جانے لگا۔ آپ نے ۱۹۷۰ء میں مغربی افریقہ کے ممالک کا تبلیغی دورہ کرنے کے بعد "نصرت جہاں آگے بڑھو" سکیم کے تحت ۵۳ لاکھ روپے کا ریزرو فنڈ قائم فرما کر اُس کے منافع سے مغربی افریقہ کے ممالک میں درجنوں نئے سکولز اور درجنوں میڈیکل سنٹرز قائم فرمائے جن سے اس قدر منافع حاصل ہوا کہ ۱۹۸۱ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضور نے خوشی سے یہ اعلان فرمایا کہ اس سال کا بجٹ نصرت جہاں ساڑھے تین کروڑ روپے ہے۔ اشاعتِ دین کی خاطر اس قدر منافع بخش کاروبار کی مثال کہیں مشکل سے ہی ملے گی۔

۱۹۶۵ء میں شروع خلافتِ ثالثہ کے زمانہ میں آپ نے حضرت مصلح موعود کے مقاصد کی تکمیل کی غرض سے ۳۷ لاکھ روپے کا ایک فنڈ "فضل عمر ریزرو فاؤنڈیشن" کے نام سے جاری فرمایا جس کے محض منافع کی رقم سے خلافت لائبریری اور تحریک جدید کے گیسٹ ہاؤس کی عظیم تعمیرات اور بلند پایہ تین کتب (حضرت مصلح موعود کے خطبات عید الفطر، خطباتِ عید الاضحیہ اور خطباتِ نکاح) کی اشاعت کے علاوہ ہر سال تحقیقی مضامین پر ہزاروں روپے کے انعامات دیئے جاتے ہیں۔

آپ کے عہدِ سعادت میں جماعت احمدیہ کو جو غیر معمولی ترقیات حاصل ہوئیں اُن کا اندازہ جماعتی چندوں کے غیر معمولی اضافہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ بیرونی ممالک میں تحریک جدید کا بجٹ پانچ کروڑ سے زائد ہو گیا۔ صدر انجمن کا بجٹ آپ کی زندگی کے آخری سال یعنی ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۱،۰۶،۱۶،۱۵۰/- روپے کا تھا جبکہ وصولی ۱،۳۶،۸۳،۰۰۰/- روپے کی ہوئی یعنی تیس۳۰ لاکھ انہتر۶۹ ہزار روپے زائد از بجٹ وصول ہوئے۔

وقفِ جدید کا بجٹ بھی ساڑھے نو لاکھ سے اُوپر چلا گیا۔
آپ کے عہدِ سعادت میں اکنافِ عالم میں غلبۂ اسلام کی مہم کو انقلابی رنگ میں ڈھالنے کے لئے ۱۹۷۳ء میں "احمدیہ جوبلی سکیم" جاری کی گئی جس کے تحت احمدیت کے قیام پر ایک سَو سال پورا ہونے پر ۲۳ مارچ ۱۹۸۹ء سے سال بھر اور اُس سال جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ایک خصوصی عمارخانہ جشن منانے کا اعلان کیا گیا اور اس خاص جشن کے استقبال کی تیاری کے لئے پندرہ ۱۵ سالوں میں دنیا کے مختلف اہم ممالک میں نئی مساجد کی تعمیر، نئے مراکز کے قیام اور دنیا کی اہم ترین زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت کے عظیم منصوبے تیار کئے گئے جن کی تکمیل کے لئے ۱۹۷۳ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضور نے جماعت سے پندرہ سالوں کے اندر بالاقساط اڑھائی کروڑ روپے کا مطالبہ کیا جس پر جماعت احمدیہ نے کمال اخلاص کا نمونہ پیش کرتے ہوئے ساڑھے دس کروڑ کے وعدہ جات پیش کر دیئے۔ جبکہ اس کے بعد مزید وعدہ جات پیش کئے گئے اور ادائیگیاں خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑھ چڑھ کر ہو رہی ہیں جن سے مختلف ممالک میں غلبۂ اسلام کے سلسلہ میں عظیم کام سرانجام دیئے جا رہے ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں احمدیہ جوبلی سکیم کے تحت عظیم جشن منانے کا اعلان ہوتے ہی جماعت احمدیہ کے خلاف بین الاقوامی سطح پر منظم مخالفت شروع ہو گئی جس سے محفوظ ہو کر بچ نکلنے کا ظاہری حالات کے لحاظ سے کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و احسان سے حضور کی قیادت میں شدید ترین خطرات سے جماعت احمدیہ کو معجزانہ طور پر نکال کر غیر معمولی ترقیات اور عظمت سے ہمکنار کیا جو خدا تعالیٰ کا عظیم نشان اور خلافتِ ثالثہ کی حقانیت کی روشن دلیل ہے۔

حضور کے عہدِ خلافت میں سویڈن میں گوٹن برگ کے مقام پر "مسجد ناصر"۔ ناروے میں اوسلو کے مقام پر "مسجد نور" اور جاپان میں دو اہم مقامات پر احمدیہ سنٹرز کا قیام، اور جزائر فجی میں عظیم "مسجد فضل عمر" اور اس کی ملحقہ عمارت، افریقی ممالک میں بیسیوں مساجد کی تعمیر، انگلستان میں مزید پانچ مشن ہاؤسز کی تعمیر، کینیڈا میں ٹورنٹو اور کیلگری کے مقام پر نئے وسیع مراکز کا قیام اور سب سے بڑھ کر سپین میں ۷۴۶ سالوں کے بعد پہلی "مسجد بشارت" کی عظیم مساجد کی تعمیرات آپ کے یادگار کارنامے ہیں۔ اندرونِ ملک راولپنڈی، اسلام آباد، کراچی، لاہور، واہ کینٹ و دیگر مقامات پر عظیم مساجد کی تعمیر ہوئی۔ ربوہ میں صدر انجمن احمدیہ، خدام الاحمدیہ، مجلس انصار اللہ اور تحریکِ جدید کے عمدہ گیسٹ ہاؤسز، دار الضیافت کا قیام، فضل عمر فاؤنڈیشن، احمدیہ بک ڈپو، دفتر پرائیویٹ سیکرٹری، دار السلام النصرت کی نئی عمارت اور مسجد اقصیٰ کی عظیم عمارتیں آپ کے عہدِ سعادت میں جماعت کی غیر معمولی ترقی کو ظاہر کرنے والی یادگار تعمیرات ہیں۔ گیمبیا کے سابق گورنر جنرل الیف۔ ایم سنگھاٹے سمیت ہزاروں نئے افراد کو جماعت احمدیہ میں شامل ہو کر اسلامی انوار سے منوّر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔
جلسہ سالانہ ۱۹۸۱ء کے موقعہ پر جو آپ کی زندگی کا آخری جلسہ سالانہ تھا میں پانچوں براعظموں کے بیسیوں ممالک سے نمائندگان سمیت دو لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی جبکہ ۱۹۶۵ء کے جلسہ سالانہ میں جو آپ کی خلافت کا پہلا سالانہ جلسہ تھا

اسّی ہزار افراد نے شرکت کی تھی۔ آپ کے عہد خلافت میں ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۱ء کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر انگریزی اور انڈونیشین زبانوں میں جدید آلات کی مدد سے سیکڑوں غیر ملکی نمائندگان کو تقاریر کے تراجم ساتھ کے ساتھ INDUCTION سیٹ پر سنانے کے انتظامات پہلی بار کئے گئے۔ آپ کے عہدِ سعادت میں ۱۹۷۸ء میں انگلستان کے تثلیث کدہ میں کسرِ صلیب کانفرنس منعقد ہوئی جس میں آپ نے بنفس نفیس شرکت فرما کر معرکۃ الآراء خطاب فرمایا۔ اس کانفرنس کی دنیا بھر کے اخبارات میں جو خبروں اور مضامین کی صورت میں اشاعت ہوئی اس کی رُو سے ۱۴ کروڑ انسانوں تک اسلام کا پیغام پہنچا۔ آپ نے بیرونی ممالک کے سات تبلیغی و تربیتی دورے فرمائے جن میں آپ نے درجنوں پریس کانفرنسوں سے خطاب فرمایا جن کی خبریں نمایاں رنگ میں بیرونی ممالک کے اخبارات میں شائع ہوئیں۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن پر لاکھوں افراد نے آپ کا پیغام سنا اور آپ کو دیکھا اور نیک اثر لیا۔ ۱۹۷۶ء کے یورپ، افریقہ اور امریکہ کے تبلیغی دورہ میں نیویارک کے مقام پر والڈورف اسٹوریا ہوٹل میں آپ کے اعزاز میں جو استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی اُس کی فلم ٹیلیویژن پر آدھ گھنٹہ تک دکھائی گئی۔ ۱۹۷۰ء میں براعظم افریقہ کے ممالک نائیجیریا، غانا، آئیوری کوسٹ، لائبیریا، گیمبیا اور سیرالیون کا جب آپ نے دورہ کیا تو ان ممالک کے سربراہان نے آپ کا استقبال کیا۔ جس کی تفصیل AFRICA SPEAKS کے خوبصورت مجلّہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس مختصر تفصیل سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور کا بابرکت دَور خلافت غیر معمولی کامیابیوں اور فتوحات کا دَور ہے۔ آپ کے عہدِ سعادت میں بین الاقوامی سطح پر جماعت احمدیہ کو غیر معمولی عظمت حاصل ہوئی ہے۔

تعلیم الکتٰب

آپ نے تیسرا عظیم اور مقدس کارنامہ قرآن کریم کی تعلیم و اشاعت کا سرانجام دیا ہے۔ آپ کے وقت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے غیر معمولی طور پر قرآن کریم کی تعلیم و اشاعت کی خدمات سرانجام دی گئیں۔ انگریزی زبان میں اور نائیجیریا کی یوروبا زبان میں لاکھوں کی تعداد میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہو کر تقسیم کئے گئے۔ متعدد غیر ملکی زبانوں میں تراجم قرآن، دیباچہ تفسیر القرآن کے تراجم اور اسلامی لٹریچر لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کیا گیا۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اہم ہوٹلوں کے ہزاروں کمروں میں خاص اہتمام سے قرآن کریم کے تراجم سیاحوں کے مطالعہ کے لئے رکھوائے گئے۔ قرآن کریم کی وسیع اشاعت کے لئے لاکھوں کی تعداد میں قرآن کریم کے تراجم شائع کئے گئے۔ اور تقسیم کئے گئے۔ مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب کی نگرانی میں قرآن کریم کی وسیع اشاعت کے لئے تین ادارے قائم کئے گئے اور خاص اہتمام سے کتب حضرت مسیح موعود و ملفوظات سے قرآنی آیات کے تراجم و تفاسیر کو مربیانِ سلسلہ کے تعاون سے مرتب کروا کر کئی ضخیم جلدوں کی صورت میں شائع کیا گیا جس کسی نے ان تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کے اس زمانہ میں بے نظیر ہونے کا اظہار کرتا ہے مرکز سلسلہ ربوہ میں فضل عمر تعلیم القرآن کلاس خاص اہتمام سے جاری کی گئی جس میں امسال ۱۹۸۲ء میں حضورِ انور کی خواہش کے مطابق طلبہ و طالبات کی حاضری دو ہزار سے

بڑھ کر ۲۰۹۵ تک پہنچ گئی جو ایک ریکارڈ حاضری ہے۔

تحریک تعلیم القرآن اور وقفِ عارضی

آج سے چودہ سو سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ لوکانَ الایمانُ معلقاً بالثریا لنا لہ رجلٌ او رجالٌ من فارس (بخاری شریف کتاب التفسیر سورہ جمعہ جلد ۳ ومشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲-۲۸۷ باب جامع المناقب) یعنی آخری زمانہ میں جب ایمان یعنی ایمان بالقرآن گویا ثریا ستارے پر چلا جائے گا تو اُسے از سرِ نو دلوں میں فارسی الاصل حضرت مسیح موعود اور آپ کے خلفاء قائم فرما دیں گے۔ اس عظیم پیشگوئی کے عین مطابق سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے بھی تعلیم القرآن کے سلسلہ میں اپنے عہدِ خلافت میں خاص توجہ فرمائی چنانچہ آپ نے "قرآنی انوار" کے عنوان سے متعدد خطبات دیئے۔ اور ایک رؤیا کی بناء پر آپ نے تحریک تعلیم القرآن اور تحریک وقف عارضی جاری فرمائی جس کی غرض یہ ہے کہ ساری جماعتِ احمدیہ کو قرآنی انوار سے منور کیا جائے اور کوئی ایک احمدی بھی ایسا نہ رہے جسے قرآن کریم ناظرہ پڑھنا نہ آتا ہو۔ اور جسے قرآن کریم ناظرہ پڑھنا آتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ قرآن کریم کا ترجمہ سیکھے اور پھر اس کی تفسیر سیکھے اور قرآنِ کریم پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرے۔ تحریک تعلیم قرآن کریم کے سلسلہ میں خاص اہتمام سے تمام جماعتوں میں قرآن کریم ناظرہ، باترجمہ اور باتفسیر جاننے والے احباب و خواتین اور بچوں اور بچیوں تک کی فہرستیں مرتب کی گئیں اور بار بار خطبات میں یہ تحریکات کی گئیں کہ جماعتوں میں تعلیم القرآن کلاسیں جاری کی جائیں اور والدین خود انفرادی طور پر اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھائیں یا اُن کے باقاعدہ پڑھانے کا انتظام کریں۔ قرآن کریم کے پڑھنے اور پڑھانے کی غرض سے ۱۹۶۶ء میں وقف عارضی کی جو تحریک آپ نے جاری فرمائی تھی اُس میں ۱۹۶۶ء سے لے کر اب تک ۱۹۸۲ء تک قریباً چالیس ہزار افراد واقفین اور واقفات نے رضاکارانہ طور پر اپنے خرچ پر مختلف مقامات پر جاکر قرآنِ کریم کے پڑھانے کی سعادت حاصل کی ہے۔

انگریزی تفسیر القرآن

انگریزی دان طبقے کو قرآنِ کریم کے حقائق و معارف سے روشناس کرانے کے لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے عہدِ خلافت میں مکرم ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے مرحوم کے تعاون سے انگریزی تفسیر القرآن کی پانچ ضخیم جلدوں کو ایک جلد میں مختصر کر کے انگریزی تفسیر القرآن شائع کی گئی جو علمی طبقہ کے لئے نہایت درجہ ایک قیمتی تحفہ ہے۔ تفسیری نوٹوں پر مشتمل یہ جلد ۱۴۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

قرآنی معارف و حقائق

دورِ جدید میں بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم بے شک آج سے چودہ سو سال قبل کے لوگوں کے لئے کتابِ ہدایت تھی مگر دورِ جدید کے پیچیدہ مسائل کا حل شاید قرآن کریم میں نہیں۔ اس خطرناک غلط فہمی کے ازالہ کے لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے بار بار تقاریر و خطبات میں فرمایا کہ قرآن کریم جہاں کتابِ مبین ہے وہاں کتابِ مکنون بھی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں اُن کا بہترین حل خدا تعالیٰ

کی طرف سے ظاہر ہونے والے مظہرین پر ظاہر کیا جاتا ہے۔
اس زمانہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود اور آپ کے خلفاء پر بھی ایسے پیچیدہ اور مشکل مسائل کا حل ظاہر کیا گیا۔ چنانچہ یورپین ممالک کے تبلیغی دوروں میں مختلف پریس کانفرنسوں میں آپ نے دورِ جدید کے حالات اور تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسلام کے بہترین اقتصادی نظام کے اصول اور فلسفہ کو نہایت عمدگی سے پیش فرمایا ہے۔ اور اسلام پر کئے جانے والے مختلف اعتراضات کے آپ نے نہایت مؤثر جوابات دے کر اسلام اور قرآن کریم کی عظمت کو واضح فرمایا ہے۔

آج مغربی ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مہنگائی کو دُور کرنے کے لئے مزدوروں کو تنخواہوں میں اضافہ کے لئے سٹرائیکس کی اجازت ہے اور سٹرائیکوں سے بے انتہا نقصان ہوتا ہے۔ سٹرائیکوں کے نتیجہ میں تنخواہوں میں اضافہ تو ہو جاتا ہے مگر مہنگائی اَور بڑھ جاتی ہے جس سے آج کی دنیا بہت پریشان ہے۔ اس LABOUR PROBLEM کے حل کے لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے قرآن کریم کا یہ بہترین نظام پیش فرمایا ہے کہ ہر انسان کو اس کی جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی ترقی کی کمال نشو و نما کا حق حاصل ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر کارکن اور مزدور کو اس کے زیرِ کفالت افرادِ خاندان کا لحاظ رکھتے ہوئے تنخواہ دی جائے، نہ کہ ہر مزدور اور کارکن کی تنخواہوں میں کچھ روپوں کا یکساں اضافہ۔ اس بہترین قرآنی نظام پر عمل کرنے کی داغ بیل سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالث نے صدر انجمن احمدیہ کے کارکنان میں عیدین اور گندم کی امداد دینے کی صورت میں (زیرِ کفالت افرادِ خاندان کا لحاظ رکھتے ہوئے) ڈال دی ہے۔

کتب کی اشاعت

آج مغرب میں دینِ اسلام کی طرف طرح طرح کے الزامات منسوب کئے جاتے ہیں جن کی تردید کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے فرمایا ہے کہ اسلام کا مطلب امن، سلامتی اور انسانی حقوق کی ادائیگی ہے۔ اسلام کا یہی چہرہ پیش کر کے اور مساواتِ انسانی اور شرفِ انسانی کو قائم کر کے ہی ہم دنیا میں انقلاب لا سکتے ہیں۔ حضور نے قرآنی حقائق و معارف اور اسلام کی خوبیوں کو مختلف تقاریر و خطبات میں بیان فرمایا ہے جو نہایت مفید اور ایمان افروز ہیں۔ آپ کی تقاریر و خطبات پر مشتمل (۱۹۹۰ صفحات پر) ۲۶ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل کتب قرآن فہمی کے لحاظ سے خصوصی اہمیت کی حامل نہایت درجہ قابلِ مطالعہ ہیں۔ خطبات و تقاریر پر مشتمل یہ کتب خاص اعلامِ الٰہی اور القاءِ الٰہی سے ہی لکھی جا سکتی ہیں:- ۱۔ تین اہم امور۔ ۲۔ قرآنی انوار ۳۔ تعمیر بیت اللہ کے ۲۳ مقاصد۔ ۴۔ اسلام کے اقتصادی نظام کے اصول و فلسفہ۔ ۵۔ صفاتِ باری کے مظہرِ اتم انسانیت کے محسنِ اعظم کی عظیم روحانی تجلّیات۔ ۶۔ مقامِ محمدیت کی تفسیر ۷۔ کشمیر اسمبلی کی ایک قرارداد پر تبصرہ۔ ۸۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر افتتاحی خطابات۔ ۹۔ امن کا پیغام اور ایک حرفِ انتباہ۔ ۱۰۔ AFRICA SPEAKS ۱۱۔ چودھویں صدی کے اختتام اور پندرھویں صدی ہجری کے شروع ہونے پر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر

مورخہ ۹۔ نومبر ۱۹۸۰ء کو اختتامی خطاب ۔ ۱۲ ۔ مورخہ ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو مجلس انصاراللہ مرکزیہ ربوہ کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر حضور کا اختتامی خطاب (جو ابھی شائع نہیں ہو سکا البتہ ٹیپ ریکارڈڈ تقریر احباب کے پاس موجود ہے) تعلیم و اشاعتِ قرآن کی مذکورہ بالا مساعی اور تقاریر و خطبات کے ذریعہ حضور نے تعلیم الکتٰب کا مقدس فریضہ نہایت عمدگی سے سرانجام دیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

تعلیم حکمت

سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث و نافلۂ موعود نے قرآن کریم پر مبنی تعلیمِ حکمت کا مقدس فریضہ بھی نہایت عمدگی سے سرانجام دیا ہے آپ کی بیان فرمودہ حکمت اور دانائی کی باتوں میں سے سرِفہرست آپ کی جاری فرمودہ جماعت میں "تعلیمی سکیم" ہے جس کے تحت آپ نے قرآن کریم پڑھنے کے علاوہ احمدی خواتین کم از کم معیارِ تعلیم مڈل اور مردوں کے لئے کم از کم معیارِ تعلیم میٹرک لازمی قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جماعت احمدیہ ذہین بچوں کو پرائمری سے سنبھالے گی اور کوشش کرے گی کہ کوئی ایک بھی ذہین بچہ ضائع نہ ہو۔ آپ نے احمدی طلبہ و طالبات کو پُرزور تلقین فرمائی کہ وہ علم و معرفت میں کمال ترقی حاصل کریں۔ آپ نے آئندہ دس سالوں میں کم از کم ایک سو ڈاکٹر عبدالسلام جیسے سائنسدان تیار کرنے کا ٹارگٹ مقرر کیا اور مزید فرمایا ہے کہ آئندہ پندرہ سالوں میں ہمیں ہزاروں ٹاپ کے سکالرز چاہییں۔ اس غرض کے لئے آپ نے علوم میں ترقی کرنے والے ذہین اور ہونہار طلبہ و طالبات کے لئے "ادائیگی حقوق طلباء" کے نام سے ایک خاص سکیم بھی جاری فرمائی اور طلبہ و طالبات کو اپنی خصوصی دعاؤں سے مستفیض کرنے کے لئے یہ ہدایت بھی جاری کروائی کہ پرائمری بلکہ نرسری کلاس سے لے کر پی۔ ایچ۔ ڈی تک کے تمام طلبہ و طالبات ہر سال اپنے اپنے امتحانی نتائج سے حضور کو مطلع فرمائیں۔ جس پر ہزاروں ہزار طلبہ و طالبات کے خطوط ملنے پر حضور کی طرف سے انہیں جوابات دیئے جاتے رہے اور میٹرک سے اوپر تک کی تمام کلاسوں میں اوّل، دوئم اور سوئم آنے والے طلبہ و طالبات کو حضور کی طرف سے ہزاروں روپے کے انعامی تمغہ جات اور انعامی کتب بھی حوصلہ افزائی کے لئے دیئے گئے۔ میٹرک سے اوپر تک کی کلاسوں میں ٹاپ کے ۲۰۰ اور ۳۰۰ طلبہ و طالبات کو حضور انور کے دستخطوں سے جوابات ارسال کئے گئے۔ اس تعلیمی سکیم کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے احمدی طلبہ و طالبات میں علم و معرفت میں کمال اور ترقی حاصل کرنے کا جذبہ یہاں تک بیدار ہوا ہے کہ ہر احمدی بچہ آج یہ خواہش کرتا ہے کہ وہ بھی اپنی کلاس میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرے اور وہ بھی ڈاکٹر عبدالسلام بنے یا اُن سے بھی بڑھنے کی خواہش رکھتا ہے۔

آپ کی زرّیں ہدایات

تعلیم حکمت کے سلسلے میں حضور نے قرآن کریم پر مبنی بعض نہایت قیمتی MOTTOS اور زرّیں ہدایات جماعت کو دیں۔ مثلاً یہ کہ "ہمیشہ مسکراتے رہو"، "محبت سب کے لئے اور نفرت کسی سے نہیں"، "تکبر اور ریاء کی بجائے ہمیشہ عاجزانہ راہوں کو اختیار کرو"، "ہمارا خدا بہت ہی پیارا اور احسان کرنے والا ہے۔ اس سے کبھی منہ نہ موڑو"، "برگزیدہ نبیؐ کے تابع ہو کر کیوں بے ہمت ہوتے ہو؟" "تم محض ہمدردی اور خیرخواہی اور خدمت کرنے کے لئے

پیدا کئے گئے ہو"۔ "ہم کسی کے بھی دشمن نہیں"۔ "ہم سب کے
لئے خیر خواہ اور دعا گو ہیں"۔ "بجز خدا کے اَور کسی سے نہ ڈرو"
"دنیا جو مرضی ہو کہتی رہے۔ ہوگا وہی جو خدا نے کہا اور خدا
کی باتوں کو کبھی دنیوی منصوبے ناکام نہیں کر سکتے"۔ آپ نے
افریقی ممالک کے احمدیوں کو یہ پیغام دیا کہ "اگر احمدیت کا
جھنڈا تمہارے ہاتھ میں ہوگا تو دنیا کی لیڈرشپ افریقہ
کے ہاتھ میں ہوگی"۔ آپ نے مخالفین کی بار بار کی تکفیر اور
ایذا رسانیوں پر ۲۸ دسمبر ۱۹۸۱ء کو اپنی زندگی کے آخری جلسہ
سالانہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔ "قرآن کریم میں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاصفح عنھم وقل سلام
فسوف یعلمون (زخرف آیت ۹۰) (جس کا ترجمہ
سیدنا حضرت اقدس کے الفاظ میں یہ ہے) کہ اُن کی
ایذا رسانیوں کو نظر انداز کر دو اور کہہ دو کہ ہم خدا کی
حفاظت اور پناہ میں ہیں۔ اُن کو جلد پتہ لگ جائے گا"۔
آپ نے فرمایا:۔ "ہم احمدی دینِ حق پر قائم ہیں۔ دنیا کا
کوئی لالچ یا ڈر ہمیں اس مقام اور اس راہ سے ہٹا نہیں
سکتا۔ اگر خدا ہمارے ساتھ ہے تو ساری دنیا بھی ہمیں کوئی
گزند نہیں پہنچا سکتی"۔ (الفضل ۱۴ اپریل ۱۹۸۱ء)۔ اپنی وفات
سے ۲۵ دن قبل مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۸۲ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:
"مومنون حقًا کو خدا تعالیٰ اپنا قرب عطا کرتا ہے اور
ثمراتِ اسلام سے نوازتا ہے۔ جنہیں خدا تعالیٰ ثمراتِ اسلام
سے نوازنے کے لئے چن لے دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی
انہیں ان ثمرات سے محروم نہیں کر سکتیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضلِ
خاص کے نتیجہ میں ہمیں کثرت سے ثمراتِ اسلام مل رہے ہیں"۔
ایسا ہی آپ نے فرمایا ہے۔ "جماعت احمدیہ کے افراد
توحیدِ خالص پر قائم ہیں اور قائم رہیں گے اور دنیا کی کوئی
طاقت انہیں خدا تعالیٰ اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں کر سکتی اور ہمارے لئے
ہمارا خدا ہی کافی ہے اور بس"۔ قرآن کریم پر مبنی
حکمت اور دانائی کی یہ باتیں حضور نے بار بار بیان فرما کر
۱۹۷۴ء سے لے کر اس وقت تک کے اعتراضات کا پُر حکمت
اور مؤثر جواب دے کر دنیا پر یہ ظاہر کر دیا کہ جماعت احمدیہ
کے اسلامی تشخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ
کے فضل سے جماعت احمدیہ مومنون حقًا کی جماعت ہے۔

اتّحادِ ملتِ اسلامیہ

حضور کی بیان فرمودہ حکمت اور
دانائی کی باتوں میں سے یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپ نے
ہی اتّحادِ ملتِ اسلامیہ کی غرض سے عید الاضحیہ اُس روز منانے
کی تحریک کی جس روز مکہ معظمہ میں عید الاضحیہ منائی جاتی ہو۔
اتحاد المسلمین کے لئے بھی آپ نے بار بار آواز اُٹھائی ہے۔
چنانچہ آپ نے ۱۹۷۰ء میں افریقی ممالک کے تبلیغی دورہ سے
واپس آ کر عروس البلاد کراچی کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی
"تمام اسلامی فرقوں کے علماء اور رہنماؤں سے بڑی دردمندانہ
اپیل کی کہ اس وقت مخلوقِ خدا کے دل سیدنا حضرت محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی باتیں
سننے کے منتظر ہیں اور آج دنیا جن نحوستوں، روحانی تباہیوں
اور تہذیبی الجھنوں کے نرغے میں ہے اُن کا واحد علاج اسلام
میں ہے۔ لہذا آئیے اب جبکہ لوہا گرم ہے ہم سب مل کر پہلے
ان سب تشنہ روحوں کو اسلام کے آبِ حیات سے سیراب
کریں۔ ان سب کو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ

پڑھوالیں۔ فروعی اختلافات کا تصفیہ بعد میں کر لیں گے"۔

ایسا ہی آپ نے ۱۹۸۰ء میں براعظم امریکہ، یورپ اور افریقہ کے تبلیغی دورہ سے واپس آکر امراء اضلاع پنجاب کی طرف سے دیئے گئے ربوہ میں استقبالیہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۸۱ء کو فرمایا:۔

" دنیا میں اسلام کی سربلندی کے لئے اسلامی فرقوں کا اتحاد ہونا ضروری ہے۔ کوئی فرقہ کسی دوسرے فرقہ کو عقائد کے اختلاف کے باوجود کافر نہ کہے تو یہ اتحاد کی بنیاد بن سکتی ہے"۔

آپ کی بیان فرمودہ حکمت اور دانائی کی باتوں میں سے یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ نے چودھویں صدی کے آخر اور پندرھویں صدی کے شروع میں مسئلہ خلافت و مجددیت اور مسئلہ نبوت کے بارے میں جماعت احمدیہ کے عقائد کو بیان کرتے ہوئے مختلف مواقع پر تقاریر و خطبات میں اور خاص طور پر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع میں مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو عظیم تجدید دین فرمائی ہے جو اتحاد مسلمین کے لئے بنیاد کے طور پر ہے۔

نائیجیرین سکولز نائیجیریا میں حکومت نے جب تعلیمی اداروں کو NATIONALIZE کیا اور تعلیمی اداروں کے مالکان کو معاوضہ دینے کا اعلان کیا تو عیسائی پادریوں نے تو اپنے تعلیمی اداروں کا معاوضہ لیا مگر حضور نے نائیجیریا میں احمدیہ سکولوں کی تعمیر پر صرف کئے جانے والے کروڑوں روپے کا کوئی معاوضہ نہ لیا اور یہ فرمایا کہ ہم افریقہ میں خدمت کرنے اور پیار کرنے گئے تھے اس لئے ہم احمدیہ سکولوں کا کوئی معاوضہ نہیں لیں گے۔ یہ فیصلہ فرما کر آپ نے نائیجیریا میں جماعت احمدیہ کے لئے دلوں میں عزت اور پیار کو حاصل کیا۔ اور آپ نے براعظم افریقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیاری تعلیم "قل انما انا بشر مثلکم" یعنی میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں اور انسان انسان میں کوئی فرق نہیں اور سب انسان برابر ہیں مساوات انسانی کی اس پیاری تعلیم کو آپ نے بار بار پیش فرما کر افریقی عوام کے دلوں کو موہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج غلبۂ اسلام کا سورج پورے آب و تاب سے حدیث رسول ؐ کے مطابق مغرب سے طلوع ہو رہا ہے۔

غلبۂ اسلام ایبٹ آباد کے مقام پر آج سے تقریباً ۱۲ سال قبل خطبہ جمعہ دیتے ہوئے سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالث نے فرمایا تھا کہ روس کی قوم کے بعد چینی کمیونزم کے نظام میں بھی دراڑیں پڑ جائیں گی۔ چنانچہ ماؤزے تنگ کی وفات کے بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ ایسا ہی ہوا۔ اسی خطبہ جمعہ میں حضور نے فرمایا تھا کہ یاجوج و ماجوج یعنی روسی بلاک اور اینگلو امریکن بلاک کی آخری عالمگیر جنگ (جس کے آج کل حالات پیدا ہو رہے ہیں) کے بعد آخر اسلام ہی دنیا پر غالب آئے گا۔

۱۹۶۶ء میں غلبۂ اسلام کے بارے میں خوشخبری سناتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا: "آئندہ پچیس تیس سال جماعت احمدیہ کے لئے نہایت اہم ہیں کیونکہ دنیا میں روحانی انقلاب عظیم پیدا ہونے والا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون سی خوش بخت قومیں ہوں گی جو ساری کی ساری یا اُن کی اکثریت احمدیت میں داخل ہو گی۔ وہ افریقہ میں ہوں گی یا جزائر میں

یا دوسرے علاقوں میں لیکن میں پورے وثوق کے ساتھ آپ کو کہہ سکتا ہوں کہ وہ دن دُور نہیں جب دنیا میں ایسے ممالک اور علاقے پائے جائیں گے جہاں کی اکثریت احمدیت کو قبول کرلے گی۔" (روزنامہ الفضل ۶ رجون ۱۹۶۶ء)

چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری کی اہمیت

چودھویں صدی ہجری کے اختتام اور پندرھویں صدی کے آغاز کی غیر معمولی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے آپ نے مورخہ ۹ر نومبر ۱۹۸۰ء کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے یہ پُر حکمت و معرفت اور ایمان افروز خطاب فرمایا :۔

"میری روحانی نگاہ دیکھ رہی ہے کہ اسلام کا دشمن بُت پرست شرک چھوڑ دے گا اور خود پجاری کے ہاتھوں بتوں کو توڑ دیا جائے گا ..... پندرھویں صدی میں انسانوں کو خدا بنانے کا زمانہ ختم ہو جائے گا۔ قبروں کی پرستش اور پیر پرستی اس صدی میں ختم ہو جائے گی اور تثلیث نے جس شدت سے ہماری فضا کو تثلیث کی موتی لہروں سے معمور کیا ہے اس سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ احد احد کی صدائیں گونجنے لگیں گی .... پندرھویں صدی میں وہ قومیں جو یہ کہتی ہیں کہ وہ نعوذ باللہ زمین سے خدا کا نام اور آسمان سے اس کا وجود مٹا دیں گی اُن کی اس ذہنیت کو مٹا دیا جائے گا اور اگر وہ اپنے ہی ہاتھ سے پیدا کردہ موت کے سامانوں کے ذریعہ سے آگ سے نہ جل گئے تو انہیں اسلام کے خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معبودِ حقیقی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا..... پندرھویں صدی میں دنیا سے بڑائی اور چھوٹے پن کا امتیاز ختم کر دیا جائے گا۔ نہ کوئی چھوٹا ہوگا اور نہ کوئی بڑا؛ سب ایک ہی سطح پر آکے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے چمٹے ہوں گے.... چودھویں صدی میں تکفیر کا بازار گرم رہا۔ یہ سب ختم ہو جائیگا پندرھویں صدی اس کو ختم کر دے گی۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہی اللہ کا منشاء ہے۔ فرقہ وارانہ تفریق مٹا دی جائے گی۔ اسلام کی ایک سچی اور کامل صورت جن لوگوں کے پاس ہے ان کے جھنڈے تلے تمام فرقے جمع ہو جائیں گے۔ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے مہدی کی روحانیت کو جو آپ کے قدموں سے چمٹی ہوگی اُٹھائیں گے، اُسے بوسہ دیں گے اور کہیں گے تیرے سپرد جو کام کیا تھا وہ تُونے کامیابی سے کر دیا۔ تیرے درجات خدا بلند کرے۔ ایک خدا ہوگا اور ایک رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے ہمارے، ایک ہی شریعت ہوگی اور ایک قرآن۔ ساری دنیا امّتِ واحدہ بن جائے گی۔ اسلام کامل طور پر غالب آئے گا۔ چودھویں صدی نے ہمیں مہدی دیا اور دنیا جہاں کے خزانے دے دیئے

پندرھویں صدی میں دنیا جہاں کے ان خزانوں
کو دنیا میں لٹا کر ہم نے دنیا کو فتح کرنا ہے۔"
ایسا ہی آپ نے فرمایا:۔
"آج وہی عزت پائے گا جو خدا کی وحدانیت
کے ترانے گانے والا ہوگا۔ جس کی زندگی محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطابق نہ ہوگی
وہ زورِ بازو سے کبھی عزت نہیں کروا سکے گا
وہ دن آنے والا ہے جبکہ ۹۹ فی صد آبادی
اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گی۔"
(الفضل ۲ر نومبر ۱۹۸۰ء)

ہماری ذمہ داریاں

حضور کی بیان فرمودہ حکمت اور
دانائی کی باتوں میں سے یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ نے
غلبۂ اسلام کے سلسلہ میں ہماری ذمہ داریوں کو کھول کر بیان
فرمایا ہے۔ چنانچہ ۱۹۸۱ء کے ذیلی تنظیموں کے سالانہ اجتماعات
میں آپ نے فرمایا ہے کہ جب تک ہم چار باتوں میں دنیا
پر غالب نہیں ہوں گے اس وقت تک غلبہ اسلام نہیں ہو سکتا۔
اور وہ چار باتیں یہ ہیں ۔ ۱۔ ہم جسمانی صحت کے لحاظ سے
اُن پر غالب ہوں۔ ۲۔ ہم ذہنی ترقی اور قابلیت کے لحاظ سے
ان پر غالب ہوں۔ ۳۔ ہم اخلاقی لحاظ سے اُن پر غالب ہوں۔
۴۔ اور روحانی ترقی کے لحاظ سے ان پر غالب ہوں۔

حفظانِ صحت

جسمانی صحت اور ذہنی ترقی کے سلسلہ
میں سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالث نے بار بار
سویابین دال کے استعمال اور سویابین سے بنے ہوئے CAPSULES
کے استعمال کرنے پر اور خدام اور لجنات کے لئے الگ الگ
کلبوں کے قیام پر زور دیا تاکہ مناسب کھیلوں اور ورزشوں
کے ذریعہ جسمانی صحت کا خیال رکھا جا سکے۔ حفظانِ صحت کے لئے
گلینڈز کے علاج کے لئے MOBIL PILLS اور کینسر کے
علاج کے لئے آپ نے "سچی بوٹی" کے استعمال اور ماڈرن میڈیسن
ادویہ کے کم سے کم استعمال کرنے اور سبز چائے کی دو تین پتیاں
ڈال کر پانی اُبال کر پینے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ بچوں کی ذہنی
ترقی کے لئے آپ نے کم از کم آدھ کلو دودھ روزانہ استعمال
کرنے کی تحریک فرمائی ہے اور سب سے بڑھ کر ہمیشہ مسکرانے
اور خوش رہنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

متفرق تحریکات

آج سے قریباً پندرہ سال قبل سائیکل
چلانے کی بھی آپ نے خصوصی تحریک جماعت میں شروع کرائی
جماعت کی غیر معمولی ترقی کے لئے خدام کو آپ نے القوی
الامین (سورۃ القصص آیت ۲۷) کے مطابق صحت مند،
طاقتور اور امانت دار ہونے کی اور جفاکشی اختیار کرنے کی
تلقین فرمائی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر جماعت کی غیر معمولی ترقی
کے لئے آپ نے جہاں مختلف سکیمیں اور منصوبے جاری فرمائے
وہاں ذیلی تنظیموں کو فعال اور مضبوط بنانے کے ساتھ ساتھ
آپ نے بین الاقوامی رنگ اختیار کرنے کے لئے اور باہمی میل
ملاپ کے لئے غیر ملکی وفود کو جلسہ سالانہ پر زیادہ تعداد میں آنے
کی اور قلمی دوستی کی تحریکات جاری کیں اور احمدیہ سٹوڈنٹس
ایسوسی ایشن، احمدیہ میڈیکل ایسوسی ایشن اور احمدیہ
آرکیٹکٹس اینڈ انجینئرز ایسوسی ایشن کی تنظیمیں بھی قائم فرمائیں
جس سے بین الاقوامی ترقی کے لحاظ سے جماعت کہیں سے کہیں

پہنچ گئی اور جماعت احمدیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے غلبۂ اسلام کا سورج آج پوری آب وتاب سے طلوع ہو چکا ہے۔ الغرض سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اپنے سترہ سالہ عہدِ خلافت میں تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفوس، تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت کے لحاظ سے اپنے مقام اور منصب کا کماحقہ، حق ادا فرمایا ہے جس پر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو احسن جزاء عطا فرمائے اور اپنے فضل سے آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ علیّین میں اپنے خاص مقامِ قرب میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے بعد آپ کے جانشین سیدنا حضرت مصلح موعود کے رنگ میں رنگین سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو صحت وسلامتی کے ساتھ خدماتِ جلیلہ سے نوازے تا جلد ہم اپنی آنکھوں سے غلبۂ اسلام اور شوکتِ اسلام کا نظارہ دیکھ سکیں۔ آمین۔

آپ نے فرمایا:۔

"انسان اپنے محسنِ اعظم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور ہٹتا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کرے کہ اُسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس لوٹنے کی توفیق عطا ہو اور وہ بھی خدا کو پہچاننے لگیں۔"

(افتتاحی تقریر بر موقع جلسہ سالانہ ۱۹۷۱ء)

ظلمتوں میں چاند بن کر تو چمکتا ہی رہا

مکرم عبد الحمید صاحب آصف۔ فیصل آباد

ناصرِ دینِ محمدؐ۔ نافلۂ مرزا
غمگسارِ عاجزاں تھا وہ غلامِ مصطفیٰؐ

خدمتِ دینِ محمدؐ ہی اُسے محبوب تھی
عاشقِ دینِ محمدؐ۔ پیکرِ صدق و وفا

ظلِّ قرآں کے تلے اس نے گزاری زندگی
خادمِ قرآن بن کر حافظ قرآن تھا

اس نے قوموں کو پلائی تھی شرابِ زندگی
اُس کے سر پر تاج تھا قرآں کے انوار کا

اہلِ دانش کہہ رہے ہیں بات سچّی اور کھری
ناصرِ دینِ محمدؐ تو سراپا نور تھا

آندھیاں آئیں چھپٹیں۔ طوفان آئے تھم گئے
ظلمتوں میں چاند بن کر تو چمکتا ہی رہا

کس طرح میں تجھ کو بھولوں تو مری تھا زندگی
تیرے ہاتھوں سے پیا تھا بارہا آبِ بقا

حضرتِ طاہر نے کی تکمیل تیرے مشن کی
مسجدِ اسپین کی ڈالی تھی تو نے ہی بنا

جو خدا کی راہ میں مرتے ہیں پاتے ہیں حیات
رُوحِ ناصر، جسمِ طاہر، جھوم اٹھی کائنات

ہمارے پیارے ابّا حضور

(صاحبزادی امۃ الاعلیٰ ماہم صاحبہ بنت محترمہ صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ)

وہ دن ہمارے لئے قیامت سے کم نہ تھا جب سب ڈاکٹروں نے اپنی متفقہ رائے کے بعد ہمیں بتایا کہ ہمارے پیارے ابّا حضور، ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کو ہارٹ اٹیک ہُوا ہے۔ ہمیں گمان تک نہ تھا کہ یہ ہنستا مسکراتا ہُوا چہرہ۔ اتنی بڑی جماعت کا دُکھ دَرد اپنے فراخ سینے میں چھپانے والا نورانی وجود اس جیسک مرض میں مبتلا ہو سکتا ہے! ساری جماعت سجدہ ریز ہوگئی اور اپنے پیارے آقا کی زندگی کے لئے اپنے قادر و توانا خدا سے دُعائیں کرنے لگی جو زندگی دینے والا بھی ہے اور زندگی لینے والا بھی۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ ابّا حضور کو بھی دل کا دَورہ پڑ سکتا ہے۔ لیکن خدا کی تقدیر کے آگے سب کو سر جھکانا پڑا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

۲۸ مئی سے ۹ جون تک سب اہلِ خانہ کیا چھوٹے اور کیا بڑے سخت کشمکش اور پریشانی میں مبتلا رہے۔ مَیں اگر بھلانا بھی چاہوں تو وہ تکلیف دِہ ایام نہیں بُھلا سکتی۔ ان ایام کا ایک ایک پَل کبھی ابّا حضور کو مَوت کے دوراہے پر کھڑا کر دیتا اور کبھی زندگی کی رونقیں بخش دیتا۔ یہ بیماری حضور کو اسلام آباد میں شروع ہوئی

ہم سب حضور کے ساتھ سیر کی غرض سے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ لیکن کسے پتہ تھا کہ ہمارا یہ سفر حضور کے ساتھ آخری سفر ہوگا۔

مَیں حضور کی بڑی صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ کی بڑی بیٹی ہوں۔ جب مَیں چھوٹی سی تھی تو حضور نے مجھے اپنی بیٹی بنا لیا تھا اور اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے تھے۔ مَیں نے تقریباً نو سال تک حضور کے ساتھ اپنی زندگی کے ایام گزارے۔ اور یہ دن بھلائے نہیں بھولتے۔ ابّا حضور اور رانی امی (حضرت سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ مرحومہ) نے مجھے اتنا پیار دیا جو کہ سگے ماں باپ بھی نہیں دے سکتے۔ حضور کی عادت تھی کہ معمولی سے معمولی بات میں بھی تربیت کا پہلو نکال لیتے۔ اور بڑے ہی مؤثر اور دل میں اُتر جانے والے انداز میں نصیحت فرماتے تھے۔ مجھ پر تو حضور خاص طور پر توجہ دیتے۔ فرماتے تھے مَیں نے اسے اپنی بیٹی بنایا ہُوا ہے۔ اس لئے مَیں تمہاری زیادہ تربیت کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ حضور کے گھر پلی اور بڑھی۔ مگر پھر بھی اس میں یہ بُری بات ہے (آہ مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا کہ جیسا حضور مجھے بنانا چاہتے تھے ویسا مَیں نہ بن سکی)۔ فرمایا کرتے تھے مَیں تمہیں ہیرا بنانا

چاہتا ہوں تراشا ہوا، میرا حضور کو اونچی آواز سے بولنا سخت ناپسند تھا۔ اکثر مجھے کہتے کہ ماہم اونچا نہ بولا کرو۔ اونچا بولنا اچھی بات نہیں ہوتی۔ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کیا کرو تا کہ مخاطب کو سمجھ آجائے۔

انسان کی بات چیت کے انداز سے ہی اس کی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی غصہ سے بات کرتا تو یہ حضور کو سخت بُرا لگتا تھا۔ فرماتے ہردم ہنسا کرو۔ جب غصہ آئے تو فوراً ہنس پڑا کرو تمہارا غصہ ختم ہو جائے گا۔ حضور خود بھی ہردم ہنستے تھے میں نے کبھی انہیں ڈانٹتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ اگر امی اور مانی جبی (بیگم مرزا انس احمد صاحب) جب اپنے بچوں کو ڈانٹتیں تو فرماتے بچے کو ہمیشہ نرمی اور پیار سے سمجھانا چاہیئے۔ اس طرح تو بچہ بدک جاتا ہے۔ حضور کو جو بات ناپسند ہوتی وہ منہ سے نہ کہتے کہ یہ نہ کرو بلکہ آپ کے چہرہ مبارک سے فوراً ظاہر ہو جاتا تھا کہ حضور کو اس وقت یہ بات ناپسند ہے۔ حضور کی محفل بہت دلچسپ ہوتی تھی۔ مزہ آجاتا تھا بیٹھ کر۔ حضور کو ہر علم پر عبور تھا۔ ہر موضوع پر ایسی گفتگو فرماتے کہ سُننے والا حیران رہ جاتا تھا۔

ہم سب رات کے کھانے کے بعد ہال کمرے میں جمع ہو جاتے تھے اور ابّا حضور اور رانی حضور ہمارے درمیان میں بیٹھ جاتے تو پھر وہ دونوں نہایت دلچسپ ماضی کے واقعات سُنایا کرتے تھے۔ حضور ہمیشہ ہر بچے پر الگ الگ توجہ دیتے تھے۔ حضور کو بچوں کا پڑھائی میں دوسروں سے آگے ہونا بہت پسند تھا۔ سب کو ہی علم ہے کہ حضور تعلیم پر کتنا زور دیا کرتے تھے حضور اپنے بچوں کو بھی ہردم پڑھنے کی تلقین کرتے تھے۔ خاص طور پر مجھے بہت نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ تعلیم کی طرف توجہ دو۔

ہمارے گھر کا ماحول بہت خوبصورت تھا۔ لوگ اس کی مثالیں دیا کرتے تھے۔ مجھے اپنی زندگی کا پہلا غم اس وقت ہوا جب میری جان سے عزیز رانی امی شدید علالت میں مبتلا ہو کر اپنے رب سے جا ملیں۔ یہ غم حضور کے لئے بہت ہی بڑا سانحہ تھا۔ لیکن حضور نے بڑے حوصلے سے یہ صدمہ برداشت کیا اور سوگوار اور سخت غمگین بچوں کو اپنے پُر شفقت بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ اور یہ احساس نہ ہونے دیا کہ ہماری ماں اب ہم میں نہیں ہے حضور بہت مہمان نواز تھے۔ اپنی آخری بیماری میں جو شدید نوعیت کی تھی۔ جب بھی طبیعت بہتر ہوتی فرماتے باہر جو مہمان آئے ہوئے ہیں اُن سب کو کھانا کھلایا ہے؟ کھانا تو کم نہیں ہے؟ غرض اس قسم کے سوالات پوچھتے۔ ہم کہتے ابا حضور فکر نہ کریں۔ سب مہمانوں کو ٹھیک طرح کھانا کھلا دیا ہے۔ ۸ جون کو حضور کی طبیعت باقی دنوں کی نسبت بہت بہتر تھی۔ وفات سے تھوڑی دیر پہلے امی سے بہت سی باتیں کیں۔ کسے پتہ تھا کہ یہ الفاظ آپ کے آخری الفاظ ہوں گے۔ اس کے پانچ منٹ کے بعد حضور ایک دم خاموش ہو گئے۔ بس اُس کے بعد ایک قیامت کا سماں تھا۔ جان سے عزیز ابّا حضور ہمیں چھوڑ کر جا چکے تھے۔ وہ دن میری زندگی کا سب سے ہولناک دن تھا۔ بھولنا بھی چاہوں تو نہیں بھول سکتی۔ میرے سر سے ایک پُر شفقت ہستی کا سایہ اُٹھ گیا تھا۔ لیکن سوائے صبر کے کوئی چارہ بھی نہیں۔ بس حضرت اقدس کا یہ شعر ہی دل کو ڈھارس دیتا ہے کہ ؎

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

میری آنکھوں سے دیکھیے......

(محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ ایم بی بی ایس۔ فضل عمر ہسپتال ربوہ)

حضور کی یادوں کے حسین ترین لمحات جماعت کے ہر فرد کے پاس ہوں گے۔ حضور کی شخصیت ہی ایسی دلنواز تھی۔ جس نے ہر فرد کو اُس کے ذوق کے مطابق عطیات بخشے تھے۔ لیکن مجھے تو ترتیب وار رکھے ہوئے حضور کی یادوں کے یہ نوادرات ننھے مُنّے بچوں کے سنبھال کر رکھے ہوئے ٹوٹے ہوئے کانچ کے رنگ برنگے ٹکڑوں کی طرح عزیز ہیں۔ آیئے آپ بھی دیکھیے۔

میرے ذہن کے نہاں خانوں میں چند چمکتے دمکتے واقعات اس طرح محفوظ رہ گئے ہیں۔ جن پر بھُول کی گرد کبھی نہ پڑ سکے گی۔ مَیں نے اپنے ذہن کے ان خزانوں کو فرطِ محبت سے نذرِ عقیدت کے طور پر چُن لیا ہے۔ مَیں تو انہیں گنجِ گراں مایہ کہوں گی۔ یہ بہاروں کے پھُول ہیں جو مَیں نے اپنے دامن میں اکٹھے کئے۔ اِن میں خزاؤں کی چیختی ہَواؤں کے ساتھ گرتے ہوئے زرد پتّے بھی ہیں۔ سرزنش کے کانٹے بھی ہیں۔ برساتی کوئل کی کُوک بھی ہے۔ سرما کی جاتی خوبصورت دُھوپ۔ اور گرمیوں کی حسین چاندنی کی ٹھنڈک بھی ہے۔ مَیں نے انہیں اپنے احساسات کے آنگن میں سجایا ہے۔ آیئے یادوں کے اس گلزار سے آپ بھی میرے ساتھ گذریئے۔ زندگی کا کوئی رنگ ایسا نہ ملے گا جو اس میں موجود نہ ہو۔ کیونکہ مَیں نے اسے اپنے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نور اللہ مرقدہٗ کی یادوں، اُن ہمہ وقت دلنواز مسکراہٹوں ہمدردانہ سوچوں، مشفقانہ نصیحتوں اپنے غلاموں کے لئے دُعاؤں سے گڑگڑاتی راتوں اور ان کے غور و تدبر سے پُر شخصیت کو اُجاگر کیا ہے۔ حضور کی یادوں کے حسین ترین لمحات جماعت کے ہر فرد کے پاس ہوں گے۔ حضور کی شخصیت ہی ایسی دلنواز تھی۔ جس نے ہر فرد کو اُس کے ذوق کے مطابق عطیات بخشے تھے۔ لیکن مجھے تو ترتیب دار رکھے ہوئے حضور کی یادوں کے یہ نوادرات ننھے مُنّے بچوں کے سنبھال کر رکھے ہوئے ٹوٹے ہوئے کانچ کے رنگ برنگے ٹکڑوں کی طرح عزیز ہیں۔ آیئے آپ بھی دیکھیے۔

مَیں جولائی ۱۹۶۵ء میں ربوہ آئی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ سال بعد میری شادی کے سلسلہ میں میرے بزرگوں نے حضور رحمہ اللہ تعالےٰ سے راہنمائی اور مشورہ چاہا۔ اس میں جس طرح حضور نے ہم سب کی راہنمائی فرمائی۔ خیال رکھا۔ دُعائیں کیں۔ اور آخری فیصلہ میں ہماری مدد کی۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ میرے ماموں جان ملک بشیر احمد صاحب (مرحوم) نے اپنے بیٹے ملک منیر احمد صاحب کے لئے رشتہ مانگا تھا۔ امّی بوجوہ نہ مانتی تھیں۔ چھوٹے ماموں جان ملک نذیر احمد صاحب درویش قادیان (مرحوم) نے خاص اس مقصد کے لئے حضور

سے ملاقات کی۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"۲۰ فروری ۱۹۷۶ء جمعرات قریباً ایک بجے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تقریباً پانچ منٹ شرف ملاقات بخشا۔ جو کہ برخوردار (وہ مجھے برخوردار ہی کہتے تھے۔) فہمیدہ عظمت کے رشتہ کے بارہ میں تھا۔ خداوند کریم ہمارے اس امام کو درازیٔ عمر بخشے۔ اور اس ملاقات کا نیک اور بہتر نتیجہ نکالے۔ حضور نے فرمایا میں نے فہمیدہ کے والد صاحب کو (فہمیدہ کو نہ بتانا) کہا تھا۔ کہ ابھی نفی میں جواب نہ دیا جائے کچھ عرصہ ٹھہر جائیں میں سوچ کر بتلاؤں گا۔"

پھر حضرت منصورہ بیگم صاحبہ مرحومہ کے ذریعے مجھے پچھوایا۔ اور ان سے کہا "تم خیال کیوں نہیں رکھتیں ہماری لیڈی ڈاکٹر کا"۔ ایک بار بی بی شکری۔ میاں انور احمد صاحب کی اہلیہ اور چوہدری صلاح الدین صاحب کی اہلیہ صاحبہ کے سامنے بھی یہی ذکر فرماتے رہے۔ چھوٹی آپا حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ سے۔ بی بی متین کے ایک بچے کی پیدائش پر فضلِ عمر ہسپتال تشریف لانے پر اس بارہ میں میرا ذکر فرما کر اظہارِ خیال کرتے رہے۔ ان سب واقعات کا لفظ بہ لفظ تحریری حال میری ڈائری میں لکھا ہوا ہے۔ انہی دنوں لاہور تشریف لے گئے تو امی کو خود بلا کر کہا کہ "اس کی شادی منیر احمد ملک سے کر دیں"۔ امی نہ مانیں تو فرمایا "لو یہ تو مجھے بھی "نہ" کہہ رہی ہیں"۔ وہ چلی گئیں تو فرمایا "نکاح فارم پُر کر کے لاؤ۔ میں ولی بنوں گا اور تمہاری شادی کر دوں گا۔"

بہرحال ان کی دعاؤں اور نیک خواہشات کے رنگین سائے میری زندگی پر آج تک چھائے ہوئے ہیں۔

اللہ اللہ بعض والدین بھی اتنی تنگ و دو اپنی بچیوں کی شادی کے لئے نہیں کرتے۔ جتنی حضور نے فرمائی۔

غالباً ۱۹۶۸ء کے اوائل میں بی بی شکری۔ بی بی حلمی اور بی بی حبی کے ہاں فضلِ عمر ہسپتال میں ولادتیں ہوئیں۔ میرے ماموں زاد بھائی نصیر ملک (ملک منیر احمد صاحب کے بڑے بھائی) کی شادی تھی اور اسی طرح اُن ہی دنوں میں میرے پھوپھی زاد بھائی داؤد ابن قاضی مسعود احمد صاحب آف نیلا گنبد کی شادی تھی۔ میں ان کی وجہ سے لاہور نہ جا سکی۔ جب میں ان تینوں کیسوں سے فارغ ہو گئی۔ اور حضور تشریف لائے تو جیب سے چاکلیٹ کا ایک پیکٹ نکال کر منصورہ بیگم صاحبہ کو یہ کہہ کر دیا کہ لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کو دیدو۔ میں نے لے کر کوٹ کی جیب میں رکھنا چاہا۔ فرمایا "نہیں ان کے منہ میں اپنے ہاتھ سے ڈالدو۔ یہ بہت تھک گئی ہیں"۔ میں نے شادیوں میں شامل نہ ہو سکنے کا ذکر کیا تو تبسم فرمایا اور فی الفور کہا "پھر میری دعائیں کس نے لینا تھیں؟؟" کتنا عظیم بدلہ ہے جو دعاؤں کے رنگ میں۔ بن مانگے میرے آقا نے بخشا۔

دو روز بعد میں ہسپتال میں کرسی پر سے بری طرح گر گئی۔ اور میرے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مجھے حضور کی دعائیں یاد آئیں اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ اگر آپ کی دعائیں شاملِ حال نہ ہوتیں تو جس طرح میں گری تھی عین ممکن تھا۔ میری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی یا میں کسی اور طرح اپاہج ہو جاتی۔

چند بار خاندانِ حضرت اقدس کے گھروں میں۔ ہسپتال میں اور ایک بار حضرت میاں منصور احمد صاحب

کے گھر کے پاس مجھے باپردہ جاتے دیکھا۔ مجلس مشاورت پر پردہ کا ذکر آنے پر اس عاجزہ کے متعلق فرمایا۔ ایک مثال تو میں دے سکتا ہوں۔ ہماری ربوہ کی لیڈی ڈاکٹر خدا کے فضل سے مکمل پردہ کرتی ہیں۔ الحمدللہ۔

اپنے سب بچوں میں سے میرے خیال کے مطابق بی بی شکری سے حضور کو بہت پیار تھا۔

بی بی شکری کو میں نے ایک بچہ کی پیدائش کے دوسرے ہی روز خود ساتھ جاکر قصرِ خلافت پہنچایا۔ لیکن میں اُنہیں پیدل چلا کر (دفتر کی طرف والی سیڑھیوں سے) اوپر لے گئی۔ جب وہاں پہنچے تو بہت پیاری سی ڈانٹ پڑی۔ "میری ایک دن کی زچہ بیٹی کو چلا کر لے آئی ہو؟"

بی بی حسی ایک بچی کی پیدائش کے بعد جب فیصل آباد سے واپس آئی تو مجھے بلایا اور تنبیہ فرمائی "اس کا خاص خیال رکھنا ہے۔ اور روز آکر دیکھنا ہے۔" اسی طرح جب کبھی بی بی حلمی کراچی سے تشریف لاتیں اور اُن کی طبیعت ناساز ہوتی۔ تو مجھے بلاتے اور کہلواتے کہ بغیر ملے نہ جائے۔ خود حال دریافت فرماتے۔

بچوں کو نازک پھولوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ غالباً میاں لقمان احمد صاحب کا بیٹا پیدا ہوا۔ بچے کو نہلا کر ٹوپی پہنا دی تھی۔ حضور اذان کہنے کو تشریف لائے۔ بچہ میری گود میں تھا۔ میں نے ذرا گھبرا کر جلدی میں ایک ہاتھ سے ذرا سخت جھٹکا دے کر ٹوپی کا پھندنا کھولا۔ فرمایا۔ "آہستہ آہستہ۔ آرام سے۔ تم ڈاکٹر لوگ بہت سخت دل ہوتے ہو۔" میں نے کہا اگر ہم نرم ہاتھ لگائیں تو پھر تو بچے کی پیدائش ہی مشکل ہو جائے۔

جب میرا بازو ٹوٹا۔ تو میرے بازو میں بہت درد رہتی تھی۔ میں نے دُعا کے لئے لکھا۔ حضور نے مجھے بلایا۔ اور خود نیچے سے اوپر والے کمرہ میں تشریف لے گئے۔ ایک تیل کا ڈبہ لاکر مجھے دیا۔ اور فرمایا۔ "اس کی مالش کیا کرو۔ انشاء اللہ آرام آجائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ پھر فرمایا۔" اگر میں کسی کے ہاتھ پیغام بھیجوں تو اس کو بھی مالش کے لئے تھوڑا سا تیل دے دیا کرنا۔" اور کئی بار مریضوں کو لکھ کر یا زبانی پیغام بھجوایا۔ اللہ اللہ کتنا خیال تھا مریضوں کا۔

مجھ پر حُسنِ ظن تھا۔ کہ خدا نے مجھے دستِ شفا بخشا ہے۔ اس کا اظہار بی بی حسی سے اُن کی ایک بچی کی بیماری کے سلسلہ میں فرمایا۔ اسی دوران ایک دفعہ میری غلطیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہو گئے۔ یہ ناراضگی واقعی درست تھی۔ ملاقات سے انکار فرما دیا۔ میں نے بی بی شکری کی معرفت حال لکھ بھیجا۔ پھر مجھے بلایا۔ اور فرمایا۔ "میں نے تمہارے خطوط لفظ بہ لفظ پڑھ لئے ہیں۔ مجھے غصہ اس بات کا تھا۔ کہ میں لوگوں سے سُنتا رہا کہ لیڈی ڈاکٹر یہ کہتی ہے۔ یہ کہتی ہے۔ تم نے مجھے کیوں نہیں لکھا اگر کوئی تکلیف تھی تو۔" اور فرمایا۔" اب جو کوئی تکلیف ہو فوری طور پر مجھے کہنا ہے۔ اور کسی کو نہیں کہنا۔" پھر میں کہتی رہی اور حضور نے جو کہا تھا پورا کرکے دکھایا۔

ایک مرتبہ میں ملاقات کے لئے گئی۔ فرمایا "میرے

مریضوں کو کس پر چھوڑ کر آئی ہو چلو واپس جاؤ مجھے علم ہے کہ ربوہ میں ایک ہی لیڈی ڈاکٹر ہے اور میں نے اس کے لئے دُعا کرنی ہے۔

ایک بار پھر میری شامتِ اعمال نے ناراضگی کا موقع دیدیا۔ اس وقت نہ سمجھ سکی تھی۔ اب سمجھتی ہوں کہ حضور کے حُسنِ تدبّر۔ بروقت قوّت فیصلہ۔ فیصلہ کی پابندی اور دُور اندیش سوچ نے مجھے تباہی کے گہرے گڑھے میں گرنے سے بچالیا۔ اُس کے بعد ملاقات ہوئی۔ تو اس طرح گویا میری نادانیوں کا حضور کو علم تک نہ تھا۔ عفو و درگذر ایسا کہ پرانی بات کا ذکر تک نہیں۔ اس طرح مزاح فرمایا۔ کہ میں بھُول گئی کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ میں نے اپنی پریشانیوں اور بیماری سے گھبرا کر حضور کو پریشان کیا تھا۔ لیکن نہیں وہاں تو عالی ظرفی کا ایک بحرِ بیکراں تھا۔ فرمایا" زیادہ پریشان نہ رہا کرو۔ تمہارے لئے الحمدُ للہ کا مقام ہے۔ الحمد للہ کہتی رہا کرو" اب دیکھتی ہوں تو اس روز کے بعد سے اللہ تعالیٰ کے مجھ پر اتنے کرم اور احسان ظاہر ہوئے ہیں کہ الحمد للہ کہتے میری زبان نہیں تھکتی۔ الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ۔

ایفائے وعدہ اور زبان کا پاس بے مثال۔ میں نے ملاقات پر کہا۔ حضور جب میں یہاں آئی تھی تو دفتر کے کہنے پر میں نے پراویڈنٹ فنڈ لینا منظور کیا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ساری عمر ہی یہاں گزر گئی ہے۔ حضور میری پنشن دینی منظور فرمالیں۔ جواب ملا" تم لکھ کر دو۔۔۔ تو میں کچھ کرسکتا ہوں۔ اور لکھنے کے چند گھنٹے بعد مجھے پنشن دینے کی منظوری فرمادی۔

اپنے بچوں کی خوشی میں حضور کی طرح میں نے کسی کو خوش ہوتے نہیں دیکھا۔ میاں لقمان احمد صاحب کے بیٹے کی پیدائش پر بہت خوش تھے۔ رات بارہ بجے ہسپتال تشریف لائے۔ بچے کے کان میں اذان کہی۔ اپنی انگشتِ مبارک سے شہد کھلایا۔ اور اذان دے کر تبسم فرمایا اور فرمایا" سخت بھوکا ہے جس طرف میں اذان کہتا تھا اُس طرف مُنہ بناتا تھا۔ کہ مجھے کچھ کھانے کو دو"

جب میں بچے کی پیدائش کے بعد دوسرے روز بی بی فائزہ کو چھوڑنے گئی۔ تو بی بی شکری کے ہاتھ پیغام بھجوایا۔ کہ میری بات سنکر جانا۔ مجھے خیال ہُوا کہ وہی بات نہ ہو جب بی بی شکری کے لئے فرمایا تھا۔ "میری ایک دن کی زچہ کو چلا کرلے آئی ہو؟" میں دل میں ڈر رہی تھی۔ کاش میں جانتی کہ یہ میری اُس مبارک وجود سے آخری ملاقات ہے۔ تشریف لائے۔ کمرہ میں بہت لوگ تھے دروازہ کے پاس بلایا۔ اپنے ہاتھوں سے میرے برقعے کی جیب میں کچھ رقم ڈالی اور فرمایا" یہ تمہارے لئے ہیں" میں نے تردّد ظاہر کیا تو مسکراہٹ بھری ڈانٹ پڑی۔ "پکڑو" اور میرا ہاتھ اس جیب پر رکھ دیا۔۔ میں لوٹ آئی۔۔۔ آپ کا یہ تبرّک میرے پاس لاکھوں کروڑوں روپے سے بھی زیادہ قیمتی شے کی طرح محفوظ ہے۔

اس کے بعد میں نے صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب کی پوتی کی آمین پر حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی

ایک جھلک دیکھی مگر کوئی بات نہ ہو سکی۔ اس روز میری تینوں بچیوں نے حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کو پہلی بار قریب سے دیکھا۔ مجھے ڈاکٹر مبشر احمد صاحب نے بتلایا حضور نے آپ کی بیٹی سے پوچھا "تمہاری امّی کیا کرتی ہیں" تو میری بیٹی نے کہا۔ "وہ ہسپتال میں کمپاؤنڈر ہیں" مَیں سوچتی ہوں حضور نے اس بات پر ضرور تبسم فرمایا ہوگا۔

اس کے فوراً بعد حضور اسلام آباد تشریف لے گئے۔ اور پھر جو ہوا۔ جس طرح یہ آفتاب بادلوں میں چُھپا ہے تو پھر اس اندھیرے کو زمین و آسمان نے محسوس کیا۔ مَیں اور آپ کیا چیز ہیں۔ اس کے بعد آنکھیں نم ہیں اور قلم خشک۔ آگے کس طرح لکھوں؟

آپ نے فرمایا:۔

"دنیا کی نوجوان نسل احمدیت کی اور اسلام کی ہے۔ نہ عیسائی اپنے بچوں کو بچا سکتا ہے اور نہ ہندو اپنے بچے کو بچا سکتا ہے۔ یہ نسل تو اسلام کی ہے یہ تو اسلام کو ملے گی۔ یہ نسل تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اَب یہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمّت سے باہر نہیں رہ سکتی۔ یہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آئے گی اور آکر رہے گی۔ دُنیا جو چاہے کرتی رہے کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ دُعاؤں کے ساتھ ہوگا۔ مَیں تو کثرت کے ساتھ دُعائیں کرتا رہتا ہوں آپ بھی دعائیں کرتے رہیں۔"

(افتتاحی تقریر بر موقع جلسہ سالانہ ۱۹۷۰ء)

دریا خلوص و پیار کا ہم پر بہا دیا!

محترمہ رضیہ دَرد صاحبہ ایم۔ اے ربوہ

مُنہ موڑ کر سدھارے ہیں پیاروں سے اس طرح
یہ جانکاہ صدمہ بھلائیں گے کس طرح

رَنج و اَلم فراق میں بھٹکے کہاں کہاں
حیران تھے خلوص و محبت ملے کہاں

ہر دَرد و غم انہیں کے تبسم میں کھو گیا
جو غم کا مارا پاس گیا ان کا ہو گیا

دینِ خدا کی راہ میں جاں اپنی وار دی
نفرت کسی سے کی نہ محبت نثار کی

دریا خلوص و پیار کا ہم پر بہا دیا
"طاہر" کو پھر خدا نے خلیفہ بنا دیا

رشکِ قمر ہو "ناصرِ دیں" کے رفیق ہو
صد مرحبا کہ "فاتحِ دیں" کے رفیق ہو

فضلِ خدا کا سایہ رہے خوش نصیب ہو
ہم دَرد مند ہیں ہمیں قربت نصیب ہو

انگلستان کی احمدی بہنوں کے تاثرات

میری بیٹی ہاسپٹل گئی تو ڈاکٹر نے کہا کہ لڑکی ہوگی۔ اس پر میری بیٹی کے خاوند نے حضور سے عرض کیا کہ حضور ڈاکٹر تو کہتے ہیں لڑکی ہے۔ اس پر حضور نے بڑے وثوق سے فرمایا کون کہتا ہے کہ لڑکی ہے مجھے خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ لڑکا ہے خواہ دُنیا کے تمام ڈاکٹر مل کر کہیں کہ یہ لڑکی ہے۔ انشاء اللہ لڑکا ہی ہوگا۔ چنانچہ خدا کے فضل و کرم سے ایسا ہی ہؤا۔

(۱)

میری دونوں بیٹیوں کی شادی حضور نے کمال شفقت سے خود ہی طے کی بلکہ میری بیٹی عزیزہ ناہید کا رشتہ عزیزم وسیم احمد کے ساتھ طے کرنے کے سلسلے میں خود ہی عزیزہ ناہید کو بلوا کر حضرت بیگم صاحبہ کے ذریعے اس کی مرضی معلوم کر کے مٹھائی کھلا کر بات پکّی کرادی۔ حضور نے فرمایا جلدی نکاح کر لیں میں دُعا میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ جس دن حضور لنڈن سے رخصت ہو رہے تھے ظہر کی نماز کے بعد ان کے نکاح میں شامل ہوئے۔ اس کے بعد حضور اوپر نہیں گئے بلکہ مسجد سے ہی رخصت ہو گئے۔ اور اس سراپا محبت وجود نے عزیزہ ناہید کی انگوٹھی پر دُعا کی نیز حضرت بیگم صاحبہ مرحُومہ نے بھی وہ انگوٹھی اپنے ہاتھ میں پہن کر دُعا کی اور اپنے ہاتھ سے میری بچّی کو پہنائی۔

اسی دوران میری دوسری بیٹی کے بچہ ہؤا حضور نے پیدائش سے قبل اس کا نام خالد روزی تجویز فرما دیا۔ میری بیٹی ہاسپٹل گئی۔ تو ڈاکٹر نے کہا کہ لڑکی ہوگی۔ اس پر میری بیٹی کے خاوند نے حضور سے عرض کیا کہ حضور ڈاکٹر تو کہتے ہیں لڑکی ہے۔ اس پر حضور نے بڑے وثوق سے فرمایا کون کہتا ہے کہ لڑکی ہے۔ مجھے خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ لڑکا ہے۔ خواہ دنیا کے تمام ڈاکٹر مل کر کہیں کہ یہ لڑکی ہے۔ انشاء اللہ لڑکا ہی ہوگا۔ میری بیٹی کو ڈاکٹروں نے اپریشن کرانے کے لئے کہا حضور سے پوچھا تو حضور نے فرمایا ہاں اپریشن کروالو اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔ رات ساڑھے دس بجے اپریشن ہؤا۔ گیارہ بجے کے قریب بچّے کے باپ نے حضور کو فون پر بتایا کہ بیٹا ہؤا ہے۔ حضور نے خود ہی ٹیلیفون وصول کیا اور بہت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا میں نے تمہیں کہا تھا کہ بیٹا ہوگا۔ دوسرے دن حضرت بیگم صاحبہ نے بچّے کے لئے دس پونڈ بھجوائے۔ حضور نے بعد ازاں ربوہ جا کر بھی اس واقعہ کا ذکر کیا۔

حضور کی ذات تو ہم سب کے لئے سایۂ رحمت تھی جو کوئی گھبراتا اس سائے کے نیچے آکر ٹھنڈی ہوا لے لیتا۔ اس سراپا محبت و شفقت کا ذکر تو پچھلے سترہ سال کی خلافت پر پھیلا ہؤا ہے۔ میری پانچویں بچّی کی پیدائش پر ڈاکٹروں نے

میری صحت کی خرابی کی بناء پر مجھے اپریشن کروا لینے کا مشورہ دیا اور کہا کہ ممکن نہیں کہ آئندہ تمہارے بچہ پیدا ہو سکے۔ حضور کو پتہ چلا تو حضور نے فرمایا اپریشن نہ کروانا۔ دوائی بھیجوں گا اور دعا بھی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ بیٹا دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنے پیارے کی دعاؤں کے طفیل مجھے بیٹا دیا۔ حضور نے اس کا نام خالد مجید رکھا اور وہ اب ماشاء اللہ گیارہ سال کا ہے۔

(محترمہ ثریا غازی صاحبہ از کرائیڈن (انگلستان))

---

(۲)

جب پیارے حضور نے مسندِ خلافت پر قدم مبارک رکھا تو میں بہت چھوٹی تھی۔ جب آپ اپنے عہدِ خلافت میں پہلی بار فضلِ عمر جونیئر ماڈل سکول میں تشریف لائے سٹیج پر میں نے پہلی بار آپ کا مسکراتا ہوا شفیق وجود سفید براق دستار، نورانی چہرہ۔ پھولوں سے لدا ہوا وجود نہایت ہی پیارا اور دل کو موہ لینے والا اندازِ تخاطب دیکھا اور پھر یہ نورانی وجود نگاہوں میں دل میں کھب گیا۔ جب میں خلافت کے مفہوم سے ناآشنا تھی تو سوچا کرتی تھی کہ یہ کوئی فرشتہ ہے۔ پھر جوں جوں شعور کی منزلیں طے کرتی گئی تو علم ہوا کہ یہ تو خدا کا مقرر کردہ خلیفہ ہے بہت بلند ہے مقام اس کا۔ اس کا ہر حکم قابلِ اطاعت ہے۔ ہر اجتماع، ہر جلسہ، ہر تقریب میں پیارے حضور کے بابرکت وجود کا کوئی نہ کوئی گوشہ اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ اس انداز سے روشن ہوتا کہ دیکھنے والے کی نگاہیں خیرہ ہو جاتیں۔ میرے میاں جو کہ نومسلم احمدی ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کو صرف ایک بار دیکھا اور وہ بھی چند منٹوں کے لئے لیکن آج تک اُن کا وجود میری نگاہوں کے سامنے ہے اور میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ کہتے ہیں کہ میں نے اتنی سادگی میں اتنی شان و شوکت والا شخص کبھی نہیں دیکھا۔

میرے بچپن کی بات ہے کہ اپنے کسی عزیز کی شادی میں دوسروں کی دیکھا دیکھی اور ناواقفیت کی بناء پر میں نے بھی اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے آگے کر دیا۔ آپ نے جلدی سے اپنا دستِ شفقت سر پر رکھتے ہوئے فرمایا

"بچیوں سے مصافحہ نہیں کرتے"۔

حضور سلسلہ کے خادموں کے ساتھ نہایت ہی شفقت اور پیار کا سلوک کرتے۔ ہمارے ابا جان کی زندگی میں حضور کو کہیں سے کوئی تحفہ آتا تو ضرور گھر بھجوایا کرتے مجھے آج تک ابا جان کا خوشی سے تمتماتا چہرہ یاد ہے کہ خدا کے مامور کے خلیفہ نے تحفہ بھیجا ہے کتنی خوش قسمتی ہے ہماری۔ ایک دفعہ ابا جان سے فرمایا جب بھی میں اور منصورہ بیگم الفضل میں آپ کی نظمیں پڑھتے ہیں۔ آپ کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

ایک دفعہ ابا جان بیمار تھے کمزوری بہت تھی۔ ہماری امی نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی آپ نے نہایت توجہ سے بیماری کا حال سنا اور فرمایا دعا بھی کروں گا اور دوا بھی دوں گا۔ چنانچہ حضور کی دعاؤں اور دوا سے ابا جان کی صحت پر خاطر خواہ اثر پڑا جس پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا

خدا تعالیٰ نے آپ کو قبولیتِ دعا کا خاص نشان

عطا فرمایا تھا اور ہزاروں لوگوں کی طرح مَیں بھی اس کی
شاہد ہوں۔ جب بھی کسی تکلیف یا امتحان کے دوران حضور کی
خدمت میں دُعا کی درخواست کی۔ خدا تعالیٰ نے ہمیشہ اپنا
فضل کیا اور آپ کی دُعاؤں کو سُنا۔ حضور ہمیشہ ضرورتمند
کی عرض کو غور سے سُنتے، مفید مشورہ دیتے اور ہمیشہ فرماتے
گھبراؤ نہیں اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ اور پھر چاہے
کتنی بھی مشکلات میں گھرا ہوا انسان پریشان جاتا شادماں
دل کے ساتھ واپس آتا

میرے بھائی جان کی شادی خانہ آبادی پر جس
شفقت محبت اور پیار کا سلوک ہم لوگوں سے فرمایا
دل کبھی اس کو فراموش نہیں کر سکتا۔ بارات نے دلہن
کو لینے کے لئے قصرِ خلافت میں جانا تھا۔ حضور باہر تشریف
لائے دونوں خاندانوں کو مبارکباد دی۔ خوب خاطر تواضع
کی۔ بے شمار دُعاؤں سے نوازا۔ دیر تک بارات میں
تشریف فرما رہے۔ اپنی مہکتی باتوں سے ہر دل کو شاد
کیا۔ سب کی باتیں سُنیں۔ دعائیں دیں بے پناہ شفقتیں
لٹائیں اور ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ احساس نہ ہونے دیا
کہ ہمارے ابا اس موقع پر اس دُنیا میں نہیں ہیں۔

جب مَیں لندن آئی تو حضور یہاں تشریف فرما
تھے۔ عید کی نماز حضور کی امامت میں ادا کی۔ کیا معلوم
تھا کہ یہ اُن کی امامت میں آخری نماز ہے۔ پھر حضور
واپس پاکستان تشریف لے گئے۔ اگرچہ خطوط کے ذریعے ان
کی دُعائیں حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوتی رہی لیکن
پھر بھی دل میں یہی تمنّا تھی کہ حضور سے ملاقات ہو اور
پھر یہ خبر سُنی کہ حضور جلد ہی یہاں تشریف لا رہے ہیں
دل بے حد خوش تھا۔ خواب میں دیکھا کہ حضور تشریف لائے
ہیں ساتھ میں سیّدہ طاہرہ بیگم صاحبہ بھی ہیں۔ مَیں نے عرض
کیا کہ حضور یہ میرا بیٹا ہے اس کے سر پر ہاتھ پھیر دیں۔ اور
دُعا فرماویں۔ حضور نے مسکراتے ہوئے میرے بیٹے کے سر
پر ہاتھ پھیرا اور ساتھ ہی میرے سر پر بھی شفقت سے
ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ چلو تمہارے سر پر بھی پھیر دیتے
ہیں۔ اگرچہ یہ خواب تھا لیکن آج تک مجھے آپ کے مشفق
ہاتھوں کا لمس اپنے سر پر محسوس ہوتا ہے۔ سوچا تھا جب
حضور تشریف لائیں گے تو اس خواب کی تعبیر بھی مل جائے گی۔
لیکن حضور تو یہاں تشریف لانے کی بجائے اپنے ازلی اور
ابدی آقا کی رضامندی پر اُسے خوش کرنے ابدی سفر پر
روانہ ہو گئے۔ ہماری محبتیں اور عقیدتیں کیا حقیقت رکھتی
ہیں اُس پیارے رحمان و رحیم اور خالق و مالک خدا کے
پیار کے آگے۔ اس کا پیار تو سب پیاروں کے پیار سے زیادہ
ہے اور جسے وہ مل جائے اُس کی خوش قسمتی کا اور کیا ٹھکانہ۔

از محترمہ فرحت رشید ڈاکر صاحبہ
(بنت شیخ روشن دین تنویر صاحب مرحوم سابق ایڈیٹر الفضل)

---

(۳)

مَیں کشمیر (انڈیا) سے آئی ہوں اس لئے ابھی تک
مَیں نے پاکستان نہیں دیکھا۔ جب حضور پہلی بار لندن تشریف
لائے تو مَیں نے جا کر اپنا تعارف خود ہی کرایا اور اپنے
ابو جان کا نام بتایا کہ مَیں سیّد یوسف شاہ صاحب کشمیری
مرحوم کی بیٹی ہوں۔ فرمانے لگے۔ "ہاں ہاں مَیں تو ان کو
بہت ہی اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم سے بھی زیادہ۔ ان کا

تخلص فارغ ہوتا تھا۔ ہم ان سے لمبی لمبی نظمیں لکھایا کرتے تھے ...... بچپن کے کئی واقعات بیان فرمائے۔ اُس دن کے بعد سے جب بھی حضور یہاں لندن تشریف لائے اور مَیں نے جاکر ملاقات کی اور سلام کیا تو ہمیشہ وعلیکم السلام کے بعد یہی فرمایا کہ تم سید یوسف شاہ کشمیری کی بیٹی ہو نا؟ اور حضرت بیگم صاحبہ پاس کھڑی ہمیشہ مسکرا دیا کرتیں۔ پھر سب کا یہاں تک کہ میرے بھائی بہنوں اور کشمیر کے احمدیوں کا بھی حال احوال از راہِ شفقت دریافت کرتے۔

ایک دفعہ ہم حضور کے پاس ذاتی ملاقات کے لئے گئے۔ ملاقات کا وقت ویسے بھی بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ میرے میاں سید مطیع اللہ صادق صاحب نے حضور سے اپنی طالب علمی اور حضور کے پرنسپل ہونے والے زمانہ کا ذکر کیا اور کہا کہ حضور آپ نے مجھے ایک بار مارا بھی تھا۔ حضور نے پوچھا "اب بھی درد ہے؟" میرے میاں نے کہا "جی حضور" تھوڑی دیر بعد جب ملاقات کا وقت ختم ہوا تو حضور اُٹھے اور میرے میاں کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ "بتاؤ تمہیں مَیں نے کس ہاتھ پر مارا تھا" میرے میاں نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ حضور نے ہاتھ پکڑ کر کہا "آؤ مَیں دبا دوں" اس طرح حضور نے میرے میاں کا ہاتھ خوب دبایا اور پیار بھی کیا پھر پوچھا "بتاؤ اب تو درد باقی نہیں رہا؟" میرے میاں نے کہا "نہیں حضور" مَیں نے دیکھا حضور کا چہرہ مبارک اور آنکھیں پیار سے لبریز تھیں۔ وفورِ جذبات سے ہماری آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ مَیں نے حضور کو ہمیشہ سراپا پیار و محبت اور بے حد نرم دل انسان پایا۔

۱۹۷۸ء کی بات ہے کہ جب حضور کانفرنس کے سلسلہ میں لندن تشریف لائے۔ عصر سے قبل اوپر مشن ہاؤس میں حضرت منصورہ بیگم صاحبہ تشریف فرما تھیں۔ اس وقت صرف چند ایک عورتیں اُن کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد حضور کوری ڈور میں سے اُدھر سے گزرے۔ ہم سب عورتیں بمعہ حضرت بیگم صاحبہ کھڑی ہو گئیں۔ اور السلام علیکم کہا۔ حضور نے وعلیکم السلام کہا اور کھڑے ہو گئے۔ سب کا حال احوال پوچھا۔ مَیں نے موقعہ کو غنیمت جانا اور اپنے بچوں کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ فرمایا نام اور عمریں بتاؤ۔ مَیں نے بتائیں۔ فرمانے لگے چھوٹے بچے کا کیا نام ہے کیا عمر ہے؟ مَیں نے کہا حضور تین ہی بچے ہیں۔ فرمایا" میرے ذہن میں تو ہمیشہ سے تمہارے چار بچے ہیں۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں، اچھا میں دُعا کروں گا۔" نماز کا وقت ہو رہا تھا حضور السلام علیکم کہہ کر نیچے اُتر گئے۔ اِدھر حضرت منصورہ بیگم صاحبہ نے مجھے فرمایا۔" چلو تمہارا تو کام بن گیا۔ بس ایک اور بیٹے کی تیاری رکھو" اس پر سبھی بہنیں جو وہاں موجود تھیں ہنس پڑیں۔

اسی سال نومبر ۱۹۷۸ء میں جب مجھے یہ احساس ہوا کہ اور بچہ ہونے والا ہے تو فوراً ایک خط حضرت بیگم صاحبہ کو اور دوسرا خط اپنے پیارے حضور کو دُعا کے لئے لکھا اور اپنی یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ" دُعا کریں اللہ تعالیٰ صحت و زندگی والا خادمِ دین بیٹا عطا کرے۔" حضور کا جواب گیا کہ انشاء اللہ اللہ تعالیٰ خادمِ دین

اور صحت و زندگی والا بیٹا عطا کرے گا۔ حضرت بیگم صاحبہ کا خط بھی خوشی کی مکمل تصویر بن کر پہنچا۔ لکھا تھا "تمہارا خط پڑھ کر ہم سبھی محظوظ ہوئے اور تمہارے تین بچوں سے چار بچے بننے کے واقعہ کو یاد کر کے ایک بار پھر ہنسے بغیر نہ رہ سکے ان کو بھی دعا کے لئے یاد کرا دیا کروں گی۔ تم خود بھی بہت دعا کرو۔ اور دعا کے لئے باقاعدہ خط بھی لکھتی رہنا۔ میں نے تو تمہیں اسی دن کہا تھا کہ ایک اور بیٹے کی تیاری رکھو....."

گو اس کے بعد میں باقاعدہ حضور کو دعا کے لئے خط لکھتی رہی لیکن دل میں یہ تسلی تھی کہ انشاء اللہ خدا تعالیٰ بیٹا ہی دے گا۔ لندن کی اکثر بہنیں اس بات کی گواہ ہیں کہ میں کس قدر عزم کے ساتھ یہ کہا کرتی تھی کہ انشاء اللہ بیٹا ہی ہوگا۔ اکثر بہنیں یہ کہتیں کہ تم بیٹی کی تیاری بھی رکھو۔ لیکن مجھے حضور کی دعا پر اس قدر اعتماد تھا کہ دل دوسری طرف جاتا ہی نہ تھا۔

بہر حال ۲۸ جون ۱۹۷۹ء کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اور میرے حضور کی خاص دعاؤں کی بدولت ایک صحت مند بیٹا عطا کیا۔ ہسپتال سے ہی حضور کی خدمت میں خط بھی لکھا اور ٹیلیگرام بھی دی۔ اور خط میں بیٹے کا نام بھی تجویز کرنے کی درخواست کی۔ ویسے مجھے کاشف نام پسند تھا۔ چند دنوں بعد حضور کا مبارکباد کا خط آیا لکھا تھا۔

"یہ پڑھ کر نہایت ہی خوشی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے آپ کو بیٹا عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نومولود کو صحت و زندگی عطا کرے، خادمِ دین بنائے اور دین و دنیا کی بے شمار نعمتوں اور برکتوں کا وارث بنائے۔ آمین۔

نومولود کا نام میں نے "سعد احمد" تجویز کیا ہے تاکہ آپ کے گھر میں دو جرنیل تیار ہوں۔ ایک "طارق" دوسرا "سعد"۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح سے یہ نام نومولود کیلئے مبارک کرے اور خدا کرے کہ آپ کے دونوں بیٹے حقیقی معنوں میں اسلام کے جرنیل بنیں آمین		والسلام

مرزا ناصر احمد۔ خلیفۃ المسیح الثالث"

خط پڑھا تو "سعد احمد" نام بے حد پیارا لگا۔ "کاشف" ذہن سے بالکل نکل گیا۔ دوسرے دن میں نے بچے کا نام رجسٹر کروانے جانا تھا۔ گھر سے باہر نکلنے ہی لگی تھی کہ پوسٹ مین نے ایک ٹیلیگرام لا کر دی۔ کھول کر پڑھی۔ حضور کی طرف سے تار تھی لکھا تھا:۔

"CONGRATULATIONS ON ARRIVAL OF KASHIF
KHALIFATUL MASIH III AND MANSOORA BEGUM."

تھوڑی دیر تک سمجھ میں ہی نہ آیا کہ یہ معمہ کیا ہے خط میں سعد احمد نام تجویز کیا ہے اور اب تار میں "کاشف" لکھا ہے۔ پھر فوراً ہی دل پر یہ بات غالب آئی کہ میرے حضور کا جو جماعت کے افراد کے ساتھ گہرا دلی تعلق ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے اور

زبان پر یہ مصرعہ جاری ہؤا۔ کہ

"کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ"

اسی وقت حضور اور بیگم صاحبہ کو خط لکھا اور اپنے ان جذبات کا اظہار بھی کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ مصرع بھی لکھ دیا کہ "کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ" اس کے جواب میں حضرت بیگم صاحبہ کا مبارکبادی کا خط آیا۔ لکھا تھا۔ "حضور کو تمہارا خط پڑھ کر سنایا۔ تمہارے "دلی تعلق" کی بات پر ہنس پڑے اور کہا کہ "منصورہ بیگم تم اب جواب میں" کاشف سعد احمد" لکھ دینا۔۔۔۔

رجسٹرڈ کروانے کے لئے جب پہلے فارم پر نام لکھا تو سعد احمد کاشف لکھا۔ اس مناسبت سے سعد احمد پہلے آیا اور کاشف بعد میں۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر فارم پھاڑ دیا اور نیا فارم لے کر "سید کاشف سعد احمد صادق" نام رجسٹر کروا دیا۔ چند دنوں بعد حضرت بیگم صاحبہ کا خط ملا جس میں بعینہٖ یہی نام درج تھا۔

پھر جب حضور ۱۹۷۸ء میں تشریف لائے تو میں شام کے وقت دوبارہ حضرت بیگم صاحبہ سے ملنے گئی تو انہوں نے فرمایا" کاشف کو لیکر کیوں نہ آئی۔ اب صبح گیارہ بجے لے کر آنا۔ میں دوسرے دن صبح گیارہ بجے کاشف کو لے کر گئی تو فرمانے لگیں "ایک منٹ ٹھہرو" یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ پھر حضور کو لے کر آئیں۔ میں نے حضور کو سلام کیا۔ حضور نے کاشف کو گود میں اٹھایا۔ پیار کیا۔ دعائیں دیں۔ جیب سے تحفہ دیا۔

اے خدا تو حضور اور حضرت منصورہ بیگم صاحبہ پر اپنی عظیم رحمتوں کی بارش کر۔ ان کے درجات بلند سے بلند تر کرتا چلا جا۔ اور جن مقاصد کے لئے حضور نے رات دن ایک کیا وہ پورے کر۔ اور ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

(محترمہ سیدہ ثریا صادق صاحبہ۔ لندن)

---

(۴)

آج سے پندرہ سال پہلے کی بات ہے۔ گرمیوں کا موسم تھا، دوپہر ڈھل چکی تھی اور لندن کے پرانے مشن ہاؤس کے وسیع و عریض میدان میں ننھے منے بچے انتہائی خوشی کے عالم میں کھیلتے پھر رہے تھے۔ آج خدا جانے انہیں کیا ملنے والا تھا کہ وہ اپنے جاموں میں پھولے نہ سما رہے تھے۔ یکایک سیکرٹری ناصرات نے سب بچوں کو ایک لمبی قطار میں کھڑا کر دیا۔ اس قطار میں بچوں کی تعداد بیس سے متجاوز نہ تھی۔ ان میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر بھی پانچ سال سے زیادہ نہ تھی۔ تمام بچوں کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں پکڑی ہوئی تھیں۔ کسی پر اھلاً وسھلاً لکھا تھا۔ کسی پر "السلام علیکم" اور کسی پر "اسلام زندہ باد" اور "احمدیت زندہ باد" وغیرہ وغیرہ۔ قطار کا رُخ گیٹ کی طرف تھا قطار میں سب سے آگے ایک دو سالہ بچی اپنے سفید فراک میں ملبوس "السلام علیکم" کا چھوٹا سا جھنڈا اٹھائے کھڑی تھی۔ سیکرٹری ناصرات کے بار بار منع کرنے پر بھی وہ بار بار اِدھر اُدھر کود کر قطار کو ٹیڑھا کر دیتی اور

ہر مرتبہ اُسے بازو سے پکڑ کر قطار میں سیدھا کھڑا کر دیا جاتا۔ آخر کچھ صبر آزما وقت گزرنے کے بعد بچوں نے مشن ہاؤس کے باہر زور زور سے "نعرۂ تکبیر اللہ اکبر" کی آوازیں سُنیں جو کہ ان کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا اور بچے حیران ہو کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ وہ ننھی بچی بھی اپنا جھنڈا سنبھالے ہوئے سیدھی ہو گئی۔ اچانک گیٹ میں سے ایک انتہائی پیاری شخصیت نمودار ہوئی مسکراتا نورانی چہرہ۔ سراپا پیار کا مجسمہ۔ بچوں کو ذرا بھی تو اجنبیت محسوس نہ ہوئی۔ اُس مجسم شفقت وجود نے اندر داخل ہوتے ہی زور سے السلام علیکم کہا اور خوشی سے اپنے دونوں بازو اس طرح وا کئے گویا سب بچوں کو یکبارگی اپنی آغوش محبت میں بھر لینا چاہتے ہوں۔ لیکن سب سے پہلے بھاگ کر اس محبت بھری آغوش میں پہنچنے والی وہ دو سالہ بچی تھی جو کئی بار سیکرٹری ناصرات کی جھڑکیوں کا نشانہ بن چکی تھی۔ اب وہ جھڑکیوں سے بے نیاز اپنے پیارے آقا کی گود میں تھی۔ اور خوش قسمتی سے تمام بچوں میں سے سب سے پہلے پیار لے چکنے کے بعد ایک طرف کھڑی ہو کر تمام نظارہ دیکھ رہی تھی۔ ہمارے یہ پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ جو ۱۹۶۷ء کی گرمیوں میں پہلی مرتبہ یہاں تشریف لائے تھے۔ اور سب سے پہلے پیار لینے والی خوش قسمت یہ خاکسارہ خود تھی۔۔۔۔ ہمارے آقا کے اُس پیار میں اس قدر لُطف آیا کہ شام کو پھر ضد کر کے اپنی امی کے ساتھ حضور سے ملنے مشن ہاؤس پہنچی۔ اُس وقت حضرت وضو کرنے کے بعد باتھ روم سے باہر تشریف لا رہے تھے اور حضور نے پگڑی اُتار رکھی تھی۔ خاکسارہ وہی پگڑی والا متبسم چہرہ دیکھنے کی آرزومند تھی۔ حضور نے پہچانتے ہوئی انتہائی پیار سے فرمایا۔ آیئے۔ آیئے۔ اور خاکسارہ نے انتہائی تذبذب کے عالم میں جواب دیا" ہم آپ سے ملنے تو نہیں آئے ہم تو پگلی (پگڑی) والے حضور سے ملنے آئے ہیں"۔ میری امی نے مجھے گھور کر دیکھا لیکن اتنے میں حضور پگڑی پہن کر سامنے سے آ رہے تھے اور آتے ہی انہوں نے مجھے گود میں اُٹھا کر بوسہ دیا۔

پھر ۱۹۷۰ء میں ہمارے پیارے حضور پھر لندن تشریف لائے۔ اب میری عمر پانچ سال کی تھی اور میں کافی سمجھ دار بچی بن چکی تھی۔ اب کی بار بھی حضور سے بہت پیار لیا اور ناصرات کے ایک اجلاس میں حضور کے سامنے یہ نظم پڑھی۔

" الٰہی مجھے سیدھا رستہ دکھا دے "

حضور کو نظم بہت پسند آئی۔ مجھے بہت پیار کیا اور محترم امام صاحب مسجد لندن کو مخاطب کر کے پوچھا کہ یہ کس کی بچی ہے؟ اور میرا نام بھی پوچھا۔ میرا نام سُن کر پیارے آقا نے مجھے پہچان لیا اور پیار سے فرمایا اچھا تم ہو۔۔۔۔ اور میں فخر سے دل ہی دل میں مسکراتی ہوئی سٹیج سے نیچے اُتر آئی۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ میں نے اپنے انتہائی بچپن میں اس بات کا شدت سے مشاہدہ کیا کہ پیارے آقا نے ہر بچے کو اتنا پیار کیا کہ ہر بچہ یہی سمجھتا تھا کہ شاید میں ہی حضور کو سب سے زیادہ عزیز ہوں۔

ایک مرتبہ میری ایک تین سالہ بہن تھی جو بے حد بھولی بھالی اور شرارتی تھی۔ حضور مسجد کے احاطہ میں کچھ مردوں کے ساتھ چہل قدمی کر رہے تھے۔ کچھ معصوم بچے اِدھر اُدھر کھیل رہے تھے۔ حضور نے اپنی جیب میں سے دس شلنگ

کا سکہ نکالا (جو کہ ابھی نیا نیا ایجاد ہوا تھا) اور ہاتھ میں پکڑ کر دکھاتے ہوئے فرمایا کون بھولا بھالا بچہ یہ لے گا؟ میرا دل بہت چاہا کہ بھاگ کر وہ سکہ لے لوں۔ لیکن شرم سے خاموش کھڑی رہی.... باقی بچوں میں سے میری تین سالہ بہن سب سے تیز نکلی اور اُس نے بھاگ کر حضور کے ہاتھ میں سے سکہ پکڑ لیا۔ حضور نے اس کو پیار سے بوسہ دیا اور وہ پیارا سکہ ہاتھ میں پکڑے ایک ٹانگ پر کودتی کودتی واپس آگئی۔ اور اُس نے آج تک وہ سکہ سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

اب جس مرتبہ بھی ہمارے پیارے حضور تشریف لائے ہم پہلے سے بڑے ہو چکے ہوتے تھے۔ ہمارے دلوں میں اپنے پیارے آقا کی محبت، پیار، شفقت، خلوص، عظمت اور وقار کے نقوش گہرے ہو چکے تھے۔ اب ہمیں ان معصوم بچوں جیسا پیار تو نہ ملتا تھا لیکن ہمارے دل اپنے پیارے آقا کی محبت سے لبریز تھے۔ انہوں نے ہر مرتبہ بچوں کو نصیحت فرمائی کہ اپنی مادری زبان سیکھو لہٰذا تقریباً ہر بچے نے اردو بولنی، پڑھنی اور لکھنی سیکھنے کی طرف توجہ کی۔ مَیں نے دو غیر ملکی زبانیں جرمن اور سپینش سیکھنی شروع کی تھیں۔ جرمن زبان سپینش زبان کی نسبت مجھے مشکل نظر آتی تھی۔ میری امی نے حضور کو بتلا دیا تو حضور نے مجھے فرمایا کہ "بیٹی تم جرمن زبان کو مشکل سمجھتی ہو۔ جرمن تو بہت آسان ہے۔" اُسی روز سے مجھے جرمن زبان آسان معلوم ہونے لگی اور مَیں نے دونوں زبانوں میں امتحان پاس کر لیا ہے۔ الحمد للہ۔

ہمارے پیارے آقا ہمارے دلوں کو سوگوار کر کے اپنے پیارے ربّ کی آغوشِ محبّت میں جا بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری غم خوردہ روحوں کی تسکین کا سامان خلافت رابعہ کے ذریعہ فرمایا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ لیکن اُس پیارے آقا کو دیکھنے کے لئے یہ آنکھیں ہمیشہ ترستی رہیں گی۔

(از محترمہ ممتاز کریم صاحبہ لندن)

---

(۵)

کوئی لمحہ ایسا نہیں جب حضور یاد نہ آتے ہوں۔ حضور انگلستان کے دَورہ پر تشریف لاتے تو یوں لگتا کہ تمام انگلستان سے مَرد اور خواتین بچے اور بچیاں اپنے پیارے امام کی پیشوائی کے لئے کھچے چلے آ رہے ہیں۔ حضور مسکراتے ہوئے کار سے اُترتے۔ حضرت بیگم صاحبہ صدر صاحبہ لجنہ انگلستان کی معیت میں مستورات میں تشریف لے آتیں۔ اُن سے معانقہ ہوتا۔ مصافحہ ہوتا۔ حضور مَردوں سے مصافحہ فرمانے کے بعد چند منٹ عورتوں کی طرف بھی تشریف لاتے۔

ایسا معلوم ہوتا کہ ہر گھر میں مصروفیت ہو گئی ہے حضور کو ملنے کے لئے ہر کوئی بے تاب نظر آتا۔ نیچے مَردوں کا انبوہِ کثیر نظر آتا تو اُوپر عورتیں۔ حضور کے فلیٹ میں ہر وقت موجود نظر آتیں۔ حضور کمال مہربانی سے اپنے قیمتی وقت میں سے چند منٹ نکال کر دروازے کے سامنے ٹھہر جاتے۔ اور سب سے تعارف کرتے اور سب کی اجتماعی ملاقات ہو جاتی۔ دن میں بیسیوں دفعہ یہ عمل دُہرایا جاتا۔

حضرت بیگم صاحبہ تورات کے ایک دو بجے تک عورتوں میں گھری رہتیں اور علم و عرفان کی باتیں ہوتیں

۱۹۸۰ء میں جب حضور تشریف لائے تو حضور مستورات کے کمرے کے آگے سے گزرے اور کمال مہربانی سے ٹھہر گئے میں دروازہ کے ساتھ ہی کھڑی تھی سب نے سلام عرض کیا۔ اور لگیں اپنا اپنا تعارف کرانے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور آپ کو میرا تو پتہ ہی ہے نا۔ قربان جاؤں اس نورانی چہرے پر مسکراتے ہوئے فرمایا۔ تم ڈاکٹر بشیر کی بیٹی ہو۔ خالد کی بہن ہو۔ چوہدری رشید کی بیوی ہو، اور میرا دل خوشی اور جذبہ وتشکر سے بھر گیا کہ پیارا آقا۔ اپنی ایک حقیر لونڈی کو کیسے یاد رکھتا ہے۔

۱۹۷۸ء میں ایک دفعہ اسی طرح کی ایک محفل تھی حضور ہم عورتوں میں تشریف لائے۔ سب اپنا اپنا مدعا بیان کر رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے۔ "وہ بے چارہ کیا کرے تمہیں زیور جو بنوا کر دے رہا ہے" میں حیران رہ گئی کہ حضور کیا فرما رہے ہیں۔ کونسے زیور کا ذکر کر رہے ہیں۔ مجھے تو میرے میاں نے کوئی زیور نہیں بنوا کر دیا۔ حضور میری پریشان شکل دیکھ کر مسکرا دیئے اور فرمانے لگے۔ کہ "آج ہی مجھے کسی نے قرآن کریم ایک ڈبی میں بند تحفتًا دیا ہے۔ میں نے قرآن کریم نکال کر ڈبی رشید کو دے دی ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ اسے اپنی بیوی کو زیور سے بھر کر دینا۔ مجھے حضور کی بات سنکر بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے گھر آکر میاں سے وہ ڈبی لے لی۔ سرخ مخمل کی بہت خوبصورت ڈبیا ہے۔ اور اپنے میاں کو کہا کہ دیکھ لینا خدا تعالےٰ حضور کے منہ کی بات پوری کرے گا۔ اور یہ ڈبیا انشاء اللہ تعالےٰ سونے سے بھر جائے گی۔

۱۹۷۸ء میں ہم نے اپنا پہلا مکان بیچ کر دوسرا لینے کا ارادہ کیا۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ حضور ہمارا ارادہ دوسرا مکان خریدنے کا ہے جو بڑا بھی ہے مگر مہنگا بھی ہے۔ فورًا فرمایا سوچ سمجھ کر قرضہ لینا۔ اتارنا مشکل ہوجاتا ہے۔

۱۹۸۰ء میں میں اوپر فلیٹ میں گئی تو حضور SITTING ROOM میں اکیلے بیٹھے تھے۔ حضرت بیگم صاحبہ باہر تشریف لائیں تو خاکسارہ نے عرض کی۔ حضور سے دو منٹ دعا کے لئے کہہ لینے دیں۔ آپ نے کمال شفقت سے حضور سے اجازت لی اور فرمایا آجاؤ۔ میرے بیٹے عزیزم "مسرور احمد" سلمہ اللہ تعالےٰ نے گیارہ سال کی عمر میں پرائیویٹ اسکول کا امتحان دینا تھا جس کی فیس ۱۸۰۰ پاؤنڈ سالانہ ہے۔ میری خواہش تھی کہ عزیزم کو وظیفہ مل جائے تاکہ پرائیویٹ اسکول میں پڑھ بھی لے اور ہم زیر بار بھی نہ ہوں۔ اسی سال جلسہ سالانہ انگلستان کے موقعہ پر حضور سے عزیز نے بہترین طفل اور بہترین مقرر کا انعام لیا تھا۔ عزیز نے وظیفہ کا امتحان بھی ۱۳ سکولوں میں دیا تھا۔ میں نے عزیز کے متعلق بتایا۔ اور دعا کے لئے عرض کیا۔ فرمانے لگے ہم دعا کریں گے۔ انشاء اللہ۔ لیکن تم نے اُسے قرض لیکر نہیں پڑھانا۔ میں نے عرض کیا حضور قرض نہیں لوں گی۔ بس خدا کی رحمت اور حضور کی دعاؤں کا آسرا ہے۔ اور واقعہ میں خدا تعالےٰ نے حضور کی دعاؤں

کو شرفِ قبولیت بخشا اور عزیزم کو پورا وظیفہ مل گیا اور ۳ اسکولوں سے اکٹھا ملا۔

آج وہ پیارا اور محسن آقا ہم سے جدا ہو کر اپنے پیارے خدا کے حضور حاضر ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضل اور رحمتیں آپ پر نازل ہوں۔ آمین

(محترمہ ناصرہ رشید صاحبہ ۔ لنڈن)

---

(۶)

دو سال قبل کا وہ دن مجھے یوں لگتا ہے جیسے کل کا بات ہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ اور حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا مسجد بشارت کا سنگِ بنیاد رکھ کر آئے تھے تو آپ دونوں از حد خوش تھے۔ مَیں نے لجنہ لنڈن کی طرف سے اور مسز سلام صاحبہ نے لجنہ یو۔کے کی طرف سے مبارک باد دی۔

پھر مجھے وہ نظارہ بھی یاد آ رہا ہے کہ ہم کچھ ممبرات اوپر فلیٹ میں حضرت بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا کے پاس بیٹھی تھیں۔ اور کسرِ صلیب کانفرنس کا آخری دن تھا بیگم صاحبہ خود بھی دُعا کر رہی تھیں۔ اور ہمیں بھی دُعا کے لئے کہہ رہی تھیں۔ ابھی ہم وہاں ہی بیٹھی تھیں کہ کانفرنس کے اختتام پر حضور خوشی سے سرشار واپس تشریف لائے۔ اور بیگم صاحبہ کو دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے فرمایا سب کچھ خدا کے فضل سے ٹھیک ہو گیا ہے۔ ہم سب نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جس مقصد کے لئے حضور نے یہ سفر اختیار کیا ہے بفضل تعالیٰ اس میں کامیابی ہوئی ہے۔ الحمد للہ۔

۱۹۸۰ء کے دَورہ میں لجنہ انگلستان کی طرف سے حضور رحمہ اللہ اور بیگم صاحبہ نوّر اللہ مرقدہا کا ڈنر تھا۔ مگر ڈنر سے قبل حضور نے لجنہ اماء اللہ میں خطاب بھی فرمانا تھا۔ اس دن صبح سے چار بجے تک برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اور حضور بہت تھک چکے تھے۔ ہال عورتوں سے بھر چکا تھا۔ مَیں اُوپر پتہ کرنے گئی کہ حضور تشریف لا رہے ہیں یا نہیں۔ بیگم صاحبہ بُرقعہ پہنے تیار کھڑی تھیں۔ کہنے لگیں صبح سے ابھی اُوپر آئے ہیں دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ اور کہتے ہیں تھوڑا سا کولڈ ڈرنک دے دو پانچ منٹ آرام کر کے مَیں نیچے چلا جاتا ہوں۔ پھر واقعی چند منٹوں کے بعد حضور نیچے تشریف لے آئے۔ ابتدائی کارروائی میں حضور تھکاوٹ کی وجہ سے خاموش تشریف فرما رہے پھر بیٹھے بیٹھے عورتوں سے خطاب فرمایا۔ اور بفضل تعالیٰ پروگرام بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کے بیرونی دَوروں سے ظاہر ہے کہ خلیفۂ وقت پر جماعت کی کتنی بھاری ذمہ داری ہوتی ہے۔ دُنیا کے کناروں تک پہنچی ہوئی جماعت کی نگرانی۔ جماعت کے مجموعی و انفرادی مسائل کے حل۔ خطبات۔ اجتماعات اور جلسوں میں تقاریر۔ اسلام کی ترقی کی راہیں ڈھونڈنا۔ دشمنوں کے تیر اپنے سینے پر صبر کے ساتھ سہنا۔ غرض کونسا کام ہے جو خلیفۂ وقت نہیں کرتے۔ ہم تو اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے

صبر و رضا کا جو نمونہ اپنی پیاری بیوی کی وفات پر دکھایا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اپنے غم کو صبر کی چادر میں چھپائے سب کو تسلّی دیتے ہوئے فرماتے تھے۔ یہ مواقع غم کے نہیں بلکہ اللہ کی رحمتوں کے حصول کے ہیں۔ اور انہیں اپنی غفلتوں سے ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اللہ کے وفادار بنے رہے تو وہ ہم پر اپنی رحمتوں کی بارش اسی طرح کرتا رہے گا۔ جس طرح پہلے کرتا چلا آرہا ہے یہ الفاظ اس بلند شخصیت کے ہیں جس کی چہیتی بیوی کا جنازہ بھی ابھی پڑھایا نہیں گیا تھا۔ آپ کے صبر کو دیکھ کر سب کی زبانوں پر تھا کہ واقعی خلیفہ کے ساتھ خدا ہوتا ہے کسی لمحہ بھی خدا تعالیٰ اپنے خلیفہ کو اپنی تائید و نصرت کے بغیر نہیں چھوڑتا۔ پیارے آقا نے اس سخت صدمہ کے وقت بھی جماعت کو سبق دیا کہ صبر کرو اور اپنے ربّ کا دامن کسی حالت میں بھی نہ چھوڑو۔

(محترمہ سارہ رحمٰن صاحبہ۔ لنڈن)

---

(۷)

اے جانے والے ہمارے پیارے امام! تجھ پہ لاکھوں سلام ہوں اور خدا کی ہزارہا رحمتیں ہوں تجھ پر تو نے جماعت پر بے انتہا کرم کئے۔ ہر بڑے سے بڑے طوفان کا تو نے کس قدر خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ کتنی خطرناک آندھیاں چلیں۔ لیکن اے مردِ مجاہد تُو نے ہر طوفان کا ہر وار کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور جماعت کو ایسا سکون، ایسے وسیع صبر کا سبق دیا جس پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

تُو نے قدم قدم پر زندگی کو منوّر کرنے کے لئے شمعیں روشن کر دیں اور انسانیت کو وہ معراج بخشی اور فانی انسان کو یہ سبق پڑھا کر ہمیشہ کے لئے لافانی بنا دیا کہ:

۱. ہمیشہ مسکراتے رہو۔
۲. وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو۔
۳. محبت سب کیلئے نفرت کسی سے بھی نہیں۔

اے جانے والے آقا! — تجھے کس قدر خیال تھا اپنی قوم کی معصوم امانتوں کا باغِ احمد کے ننھے ننھے پھولوں کا تُو نے انہیں کس قدر اعلیٰ مقام سے نوازا۔ اور جماعت میں یہ منادی کروا دی کہ

"احمدی بچّے کو چوکس رہ کر سنبھالنا جماعت احمدیّہ کا بنیادی فرض ہے۔ ہر بچہ تعلیم کے میدان میں اُس مقام تک ضرور پہنچے جس کی استعداد اللہ تعالیٰ نے اُسے دی ہے"

اللہ اللہ کیا جذبہ تھا کیا خیال تھا اپنی قوم کی معصوم کلیوں کا۔ پھر یہی کہہ کر بس نہیں کیا بلکہ کس قدر محبّت تھی باغِ احمد کی ننھی کونپلوں سے انہیں فرمایا:-

"مجھے خوشی پہنچانے کے لئے بچّے اور بچیاں دُعا کے لئے مجھے خط لکھا کریں۔ امتحانوں کے نتیجہ سے مجھے مطلع کریں خواہ نتیجہ کیسا ہو"۔

اے حافظِ قرآن! تیرا دل خدا اور اس کے پیارے رسُول کے عشق میں ڈوبا ہؤا تھا اور قرآن کی تعلیم سے

تُو کس قدر سرشار تھا۔ اور یہ تیرا جذبۂ عشق ہی تھا کہ تُو
نے اِس نور کے لئے کتنی محنت، کتنی کوشش، اور کتنی ہمّت
کا نمونہ دکھایا تُونے عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے
سنہ ۱۹۶۶ء کے اجتماع کے موقع پر فرمایا:۔

" آپ اپنی نسلوں میں قرآنِ کریم کا عشق
اس طرح بھر دیں کہ دُنیا کی کوئی لذّت اور
کوئی سُرور انہیں اپنی طرف متوجہ نہ کرے۔
وہ ساری توجہ کے ساتھ قرآن کریم کے
عاشق ہو جائیں۔ اور وہ ہر چیز اس سے
حاصل کرنے والے ہوں اور وہ دُنیا کے لئے
ایک نمونہ بنیں تا قیامت تک آپ کے
نام زندہ رہیں اور آنے والی نسلیں حیران
ہو کر آپ کی تاریخ کو پڑھیں اور کہیں
کہ کیسی عورتیں تھیں اس زمانہ کی جنہوں نے
دُنیا کے تمام لالچوں کے باوجود، دُنیا کے
تمام بداثرات کے باوجود دُنیا کو ٹھکرا
دیا اور دُنیا کی طرف اللہ تعالےٰ کے بھیجے
ہوئے نور کو اپنے گرد اس طرح لپیٹا کہ
وہ جہاں بھی رہیں اور جہاں بھی گئیں وہ اور
اُن کا ماحول اس نور سے منوّر تھا اور
جگمگاتا رہا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو بھی اور ہم
کو بھی ہمیشہ اس کی توفیق عطا کرتا رہے۔ آمین۔"

۳، اور ۴، دسمبر ۱۹۸۱ء کی رات جماعت کے لئے
ایک اندوہناک رات بن کر آئی اور جماعت کی روحانی ماں
اور پیارے آقا کی محبوب ترین ساتھی ہمیشہ ہمیش کے لئے
اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو گئیں مگر قربان جائیں اس
پیارے آقا پر صد آفرین اُس کے صبر پر کہ وہ اپنے خدا کی
مرضی کے آگے کس قدر صبر سے سرِ تسلیم خم کر گیا اور
صبرِ عظیم کی وہ بے نظیر مثال قائم کر گیا کہ انسان تو انسان
فرشتے بھی اس کے صبر پر دنگ رہ گئے حضور نے فرمایا:۔

" یہ احسان خدا تعالےٰ نے مجھ پر کیا کہ ایک ایسی
اچھی ساتھی عطا کی۔ اس پر خدا کی حمد کریں لَآ اِلٰہَ
اِلَّا اللّٰہُ کا ورد کریں۔ اللہ اکبر کے نعرے لگائیں اور
ان کے لئے دعائیں کریں۔ ان سارے غموں کو اڑانے
کے لئے ایک ہی فقرہ کافی ہے

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن

اے ہمارے پیارے محسن تو نے اپنے غم کو کیونکر
خدا کی مرضی کے آگے فنا کر دیا مگر دوسری طرف اپنی
پیاری جماعت کے غم اور آنسو دیکھ کر بے قرار ہو گیا اور
اپنے غم کی پرواہ کئے بغیر جماعت کے دُکھ کو کم کرنے
کے لئے بے قرار ہو کر تڑپ گیا۔ اور جماعت کو ان الفاظ
میں مخاطب کیا۔" جان سے پیارے بھائیو اور بہنو!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔
بلانے والا ہے سب سے پیارا۔ اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر
آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غمگین و محزون مگر ہم اپنے ربّ کی
رضا پر راضی اور اس کی تقدیر پر خوش ہیں کہ بلانے والا ہی
جانے والے سے بھی زیادہ پیارا ہے۔"

اور پھر خدا تعالےٰ نے صرف چھ ماہ کی عارضی جدائی دیکر
ہمیشہ کے لئے دونوں وجودوں کو اکٹھا کر دیا۔

(محترمہ نصیرہ نور صاحبہ دالتھم سٹو۔ لندن)

خدائے زندہ کا موعودِ ذی الکرام گیا!

(مکرم مرزا محمود احمد صاحب۔ ربوہ)

خدائے زندہ کا موعودِ ذی الکرام گیا		گیا وہ سیّدِ کونینؐ کا غلام گیا
وہ پسرِ فضلِ عمر۔ نافلہ مسیحا کا		وہ پُرشکوہ، وہ ذی عزّ و احترام گیا
ہمارا راہ نما اور خلیفۂ ثالث		ہمارا راہبر و پیشوا، امام گیا
محبتوں کا پیمبر، سفیرِ امن و اماں		وہ جس کا آشتی اور پیار تھا پیام گیا
سراپا عفو و عطوفت، سراپا شفقت و حلم		لبوں پہ جس کے تھا ہر لمحہ ابتسام گیا
وہ جس نے الجھنوں میں اپنی رہنمائی کی		غموں میں جس نے کیا ہم کو شادکام گیا
وہ جس نے غیر کے حملے سہے تھے ہنس ہنس کر		رہا زباں پہ مگر صُلح کا پیام گیا
مساجد اور شفا خانے اور مدارس نیز		دیارِ غرب میں جس نے کئے ہیں عام گیا
چلائی جس نے تھی نصرت جہاں کی تحریک		وہ مردِ برتر و اعلیٰ۔ نکو مقام گیا
وہ جس نے جوبلی صد سالہ کی بِنا رکھی		جو چاہتا تھا بخیر اس کا اختتام گیا
رکھی اشاعتِ قرآں کی بنا جس نے		کیا تراجمِ قرآں کا جس نے کام گیا

گیا وہ مملکتِ دل کا حکمراں، محمود
ہمارا آقا وہ محبوبِ خاص و عام گیا

فغاں کہ موت نے ہم سے گُہر وہ چھینا ہے		کہ کائناتِ تقدس میں تھا دُرِّ یکتا
فغاں کہ موت نے بخشی ہے وہ جراحتِ دل		کہ کارگر نہیں جس کے لئے کوئی نُسخہ
خدا کرے کہ میسّر ہو تم کو جنّت میں		نبیٔ پاکؐ کے قدموں میں مرتبہ اعلیٰ
خدا کرے تمہیں جنت میں میرزا ناصر		بہ زیرِ سایۂ مرزا ملے مقامِ عُلا
خدا کرے ہو عطا قربِ مصلح موعود		خُدا کرے ملے تم کو یہ رُتبۂ عُلیا
ترے مزار پہ لطفِ خدا کی بارش ہو		ہزار ہاتھ اُٹھیں یاں مدام بہرِ دُعا

ترے مزار پہ تا حشر برکتوں کا نزول
دُعائے میرزا محمود با وفا ہو قبول

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی

دینی خدمات سے بھرپور زندگی پر ایک طائرانہ نظر

(مرتبہ : امۃ اللطیف خورشید)

" خدا کے بنو، خدا کے بنو! ہم سب فانی ہیں وہی زندہ ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو... اپنی زندگی کو اسی کے لئے کرو. ہر سانس زندگی کا اسی کے لئے ہو"

(انگلستان روانگی کے وقت حضور کو حضرت مصلح موعودؓ کی نصیحت جسے حضور رحمہ اللہ نے پورا کر دکھایا)

* ولادت باسعادت : ۱۶ ، نومبر ۱۹۰۹ء (بوقت شب)
* حفظ قرآن پاک کی تکمیل : ۱۷ ، اپریل ۱۹۲۲ء بعمر ۱۳ سال (آپ کے حفظ قرآن کے استاد کا نام حافظ سلطان حامد صاحب ملتانی مرحوم تھا).
* امتحان مولوی فاضل میں کامیابی : جولائی ۱۹۲۹ء
* بی اے کے امتحان میں کامیابی : ۱۹۳۴ء (گورنمنٹ کالج لاہور سے)
* حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ بنت حضرت نواب محمد علی خان صاحب مرحوم و حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) سے عقد | ۲ ، جولائی ۱۹۳۴ء (نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے پڑھا.)
* تقریب رخصتانہ : ۶ ، اگست ۱۹۳۴ء بمقام ریاست مالیر کوٹلہ (برات میں حضرت اماں جان نور اللہ مرقدہا بھی شامل ہوئیں.)
* دعوتِ ولیمہ : ۸ ، اگست ۱۹۳۴ء
* اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے انگلستان کو روانگی : ۶ ، ستمبر ۱۹۳۴ء
* آکسفورڈ یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد قادیان واپسی : ۹ ، نومبر ۱۹۳۸ء (زمانہ قیام انگلستان میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام بھی کرتے رہے چنانچہ اسی غرض سے " الاسلام " کے نام سے ایک خوبصورت رسالہ بھی وہاں سے جاری فرمایا)
* جامعہ احمدیہ کے پروفیسر اور پھر پرنسپل کے عہدہ پر تقرر : ۱۹۳۹ء تا اپریل ۱۹۴۴ء
* تعلیم الاسلام کالج (قادیان، لاہور، ربوہ) کے پرنسپل کے عہدہ پر تقرر : مئی ۱۹۴۴ء تا نومبر ۱۹۶۵ء
* خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے صدر : فروری ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۹ء
* نائب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ : اکتوبر ۱۹۴۹ء تا نومبر ۱۹۵۴ء (جبکہ حضرت مصلح موعود خود خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے صدر رہے)
* تقسیم ملک کے بعد قادیان میں رہ کر دیہات میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی امداد : ۱۴ ، اگست تا ۱۵ ، نومبر ۱۹۴۷ء
* پاکستان میں ہجرت : ۱۶ ، نومبر ۱۹۴۷ء
* فرقان بٹالین کی کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے اہم ملکی خدمات : جون ۱۹۴۸ء تا جون ۱۹۵۰ء
* سنّت یوسفی کے مطابق قید و بند کی صعوبت برداشت کرنے کے بعد آپ کی رہائی : ۲۸ ، مئی ۱۹۳۵ء
* صدر انصار اللہ مرکزیہ کے عہدہ پر تقرر : ۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۵ء.

* صدر صدر انجمن کے طور پر تقرری: مئی ۱۹۵۵ء تا نومبر ۱۹۶۵ء۔
* حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح کی رحلت پر انتخابِ خلافت اور خلیفۃ المسیح الثالث کے منصب جلیلہ پر تقرر: ۸، نومبر ۱۹۶۵ء بعد نماز عشاء بمقام مسجد مبارک ربوہ۔
* خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد پہلا خطاب:
۸، نومبر ۱۹۶۵ء بعد از انتخاب خلافت
* خلیفۃ المسیح کی حیثیت میں خواتین سے پہلا خطاب: ۹ ، نومبر ۱۹۶۵ء
(بمقام مکان حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ مدظلہا)
* خلیفۃ المسیح کی حیثیت میں پہلا خطبہ جمعہ: ۱۲، نومبر ۱۹۶۵ء بمقام مسجد مبارک ربوہ۔
* حضور کے عہد خلافت کا پہلا جلسہ سالانہ: ۱۹، دسمبر تا ۲۱، دسمبر ۱۹۶۵ء
* حضور کے عہد کی پہلی مالی تحریک فضل عمر فاؤنڈیشن: ۱۹، دسمبر برموقع جلسہ سالانہ ۱۹۶۵ء۔ اس میں حضور نے ۲۵ لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تھا مگر جماعت نے ۳۰ لاکھ روپیہ پیش کیا جس پر حضور نے فرمایا
"دوستوں کی قربانی پر میرا دل خدا کی حمد سے بھر گیا"۔
* جلسہ سالانہ پر مستورات سے پہلا خطاب: ۲۰، دسمبر ۱۹۶۵ء
* حضور کے عہد خلافت کی پہلی عید الفطر: ۲۳، جنوری ۱۹۶۵ء
* تحریک تعلیم القرآن کی تحریک: ۱۱، فروری ۱۹۶۶ء
* خلیفہ بننے کے بعد خدام سے پہلا خطاب: ۲۶، نومبر ۱۹۶۵ء
بمقام ہال جامعہ احمدیہ ربوہ
* مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلانے کی تحریک: ۱۷، دسمبر ۱۹۶۵ء
* حضور کا ارشاد کہ وطن کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہر احمدی کا مذہبی فریضہ ہے: ۲، جنوری ۱۹۶۶ء
* تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے جلسہ تقسیم اسناد و انعامات سے حضور کا خطاب: ۱۳، مارچ ۱۹۶۶ء۔
* وقفِ عارضی کی مبارک تحریک کا آغاز: ۱۸، مارچ ۱۹۶۶ء (اس تحریک میں اب تک تقریباً چالیس ہزار افراد جماعت حصہ لے چکے ہیں)
* حضور کے عہد کی پہلی مجلس مشاورت: ۲۵ تا ۲۷، مارچ ۱۹۶۶ء
* خواتین میں پہلا درس القرآن: ۲۰، اپریل
(حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ مدظلہا کے مکان پر)
* ڈنمارک میں احمدی خواتین کے چندہ سے بننے والی پہلی مسجد کا سنگِ بنیاد: ۶ مئی ۱۹۶۶ء کو محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے ہاتھ سے رکھا گیا۔
* تفسیر صغیر کا پانچواں نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ایڈیشن: مئی ۱۹۶۶ء
* تیسری فضل عمر تعلیم القرآن کلاس کا افتتاح: ۲، جولائی ۱۹۶۶ء
* فضل عمر فاؤنڈیشن کے دفتر کا سنگ بنیاد: ۱۶، اگست ۱۹۶۶ء
* رسوم و بدعات کے خلاف اعلان جہاد: خطبہ جمعہ فرمودہ ۹، ستمبر ۱۹۶۶ء بمقام مری۔
* حضور کے عہد میں خدام الاحمدیہ و لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا پہلا سالانہ اجتماع: ۲۱، تا ۲۳، اکتوبر ۱۹۶۶ء۔
* انصار اللہ مرکزیہ کا پہلا سالانہ اجتماع: ۲۸، تا ۳۰، اکتوبر ۱۹۶۶ء
* تحریک وقفِ عارضی: ۱۸، اکتوبر ۱۹۶۶ء۔
* گورنر جنرل گیمبیا الحاج ایف ایم سنگھاٹے (امیر جماعت احمدیہ گیمبیا) کے ذریعہ الہام "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" پورا ہوا۔: جولائی ۱۹۶۶ء۔
* حضور کی تحریک کہ وقف جدید کا مالی بوجھ احمدی بچے اور بچیاں اٹھائیں: ۴، نومبر ۱۹۶۶ء
* مسجد اقصیٰ کا سنگ بنیاد: ۲۸، اکتوبر ۱۹۶۶ء
* مجلس موصیان کے قیام کا اعلان: ۵، اگست ۱۹۶۶ء
* پہلا سفر سندھ و کراچی: ۲۰، نومبر ۱۹۶۶ء

* حضرت مسیح آخر الزمان کے معرکہ آراء لیکچر "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے انگریزی ترجمہ کی ایک لاکھ کی تعداد میں اشاعت :
۲۵ جنوری ۱۹۶۷ء

* جلسہ سالانہ ۱۹۶۶ء - ۲۶ تا ۲۸ جنوری ۱۹۶۷ء
(۵۵ ہزار افراد کی شرکت)

* کوپن ہیگن (ڈنمارک) میں مسجد کا افتتاح : ۲۱ جولائی ۱۹۶۷ء
حضور نے اپنے دست مبارک سے افتتاح فرمایا۔

* جلسہ سالانہ ۱۹۶۷ء - ۱۱-۱۲-۱۳ جنوری ۱۹۶۸ء : قریباً ایک لاکھ اشخاص نے شمولیت کی۔

* جماعت کو تسبیح وتحمید اور درود شریف پڑھنے کی تحریک :
۱۵ مارچ ۱۹۶۸ء

* صدر انجمن احمدیہ کے مالی سال ۱۹۶۷-۶۸ء کے بجٹ میں تین لاکھ دس ہزار سے زائد کا اضافہ : خطبہ جمعہ ۱۰ مئی ۱۹۶۸ء۔

* زیر تعمیر مسجد اقصیٰ کی بنیاد میں بعض بزرگ خواتین مبارکہ نے اینٹیں رکھیں : ۱۰ جولائی ۱۹۶۸ء کو حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت سیدہ نواب منصورہ بیگم صاحبہ حرم حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اینٹیں رکھ کر دعا فرمائی۔

* بیرونی ممالک کے سات تبلیغی وتربیتی نہایت اہم دورے :
۱۔ دورہ یورپ : ۶ جولائی ۱۹۶۷ء تا ۲۴ اگست ۱۹۶۷ء
۲۔ دورہ مغربی افریقہ : ۴ اپریل ۱۹۷۰ء تا ۸ جون ۱۹۷۰ء
۳۔ سفر انگلستان : ۱۳ جولائی ۱۹۷۳ء تا ۲۶ ستمبر ۱۹۷۳ء
۴۔ سفر یورپ : ۵ اگست ۱۹۷۵ء تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء
۵۔ دورہ امریکہ وکینیڈا : ۳۰ جولائی ۱۹۷۶ء تا ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء
۶۔ دورہ یورپ برائے کسر صلیب کانفرنس : ۸ مئی ۱۹۷۸ء تا ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء
۷۔ دورہ مغرب : ۲۶ جون ۱۹۸۰ء تا ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۰ء حضور کا یہ دورہ مغربی جرمنی، سوئٹزرلینڈ، آسٹریا، ڈنمارک، سویڈن، ناروے، ہالینڈ، انگلستان، سپین، نائیجیریا، غانا، کینیڈا اور امریکہ کے ۱۳ ممالک پر محیط تھا۔

* افتتاح خلافت لائبریری : ۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء
* مسجد اقصیٰ کا افتتاح : ۳۱ مارچ ۱۹۷۲ء
* گھوڑ دوڑ ٹورنامنٹ کا آغاز : ۹ دسمبر ۱۹۷۲ء
* جشن صد سالہ احمدیہ جوبلی کی تحریک : ۲۸ دسمبر ۱۹۷۳ء برموقع جلسہ سالانہ۔
* پاکستان کی قومی اسمبلی میں جماعت احمدیہ کے عقائد کی ترجمانی :
۲۲-۲۳ جولائی - ۵ تا ۱۰ اگست ۲۰ تا ۲۴ اگست ۱۹۷۴ء
* جماعت احمدیہ کیلئے علمی منصوبہ کا اعلان : ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۹ء
* مسجد بشارت سپین کا سنگ بنیاد : ۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء
* کلمہ توحید اور لا الہ الا اللہ کے ورد کی تحریک : ۹ نومبر ۱۹۸۰ء
* احمدیہ بکڈپو کا افتتاح : ۲۴ دسمبر ۱۹۸۱ء
* جماعت احمدیہ کے لئے ستارۂ احمدیت کے اعزاز کا اعلان :
۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء
* دفتر صد سالہ احمدیہ جوبلی سکیم کا سنگ بنیاد : ۲۳ مارچ ۱۹۸۲ء
* حضور کا عقد ثانی : ۱۱ اپریل ۱۹۸۲ء
* حضور کی رحلت کا المناک سانحہ : ۸، ۹ جون ۱۹۸۲ء کی درمیانی شب پونے ایک بجے بمقام بیت الفضل اسلام آباد۔
* مقبرہ بہشتی ربوہ میں نماز جنازہ اور تدفین :
۱۰ جون ۱۹۸۲ء کو بعد نماز عصر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے مقبرہ بہشتی کے میدان میں نماز جنازہ پڑھائی جس میں کم وبیش ایک لاکھ احباب نے شرکت فرمائی جس کے بعد تدفین عمل میں آئی اور یوں وہ مقدس وجود ہمیشہ کے لئے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا جس نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے بزرگ والد حضرت مصلح موعود کی (مضمون کے شروع میں درج) نصیحت پر عمل کرنے کا عظیم نمونہ پیش فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَالنَّاصِرُ
فضلِ خدا کا سایہ ہم پر رہے ہمیشہ
ہر دن چڑھے مبارک ہر شب بخیر گزرے۔ آمین
کراچی میں
آپ کے ذوق کے عین مطابق، معیاری سونا کے دیدہ زیب اور پرکشش زیورات کا مرکز
آپ کی اپنی دوکان
الکریم جیولرز
(ایئرکنڈیشنڈ)
بازارِ فیصل (بالمقابل مینا بازار) کریم آباد چورنگی کراچی
نیز جدید دور کے ڈیزائن اور جڑاؤ حسبِ پسند زیورات آرڈر پر بھی تیار کئے جاتے ہیں۔
پروپرائٹر:- میاں عبداللطیف شاہ کوٹی اینڈ سنز

شفقتِ پدری کا ایک حسین منظر

حضور اپنے دو صاحبزادگان مرزا انس احمد صاحب اور مرزا فرید احمد صاحب کے ہمراہ

ربوہ میں حضور کے اعزاز میں دی جانے والی آخری دعوت میں اجتماعی دُعا۔ (عقب میں حضور کے صاحبزادہ مرزا لقمان احمد صاحب کھڑے ہیں)

DEC 82 JAN 83

REGD NO. L 5588

Monthly MISBAH RABWAH

چودھویں صدی ہجری کی آخری رات ـــــ خُدام کے سالانہ اجتماع ۱۹۸۱ء کے موقع پر

قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ ثالث اور مظہرِ رابع ایک شادی کی تقریب میں

نومبر ۱۹۸۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ کی صاحبزادی کی تقریب رخصتانہ پر جو مرزا سفیر احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب سے ہوئی۔